اُن ظفار میں تھے جو مضبوطی کے ساتھ اپنے شیخ کے مسلک پر قائم رہے اور استبداد و آمریت کے تیز و تند جھونکے اُنہیں اپنے مقام سے نہ ہلا سکے لیکن وہ منسلکین سلسلہ جو ابھی عمر کی اس پختگی کو نہیں پہنچے تھے اور جن میں مقابلہ اور مخالفت کی طاقت بھی کم تھی، رفتہ رفتہ حکومت کے کل پرزے بن گئے محمد بن تغلق کی اس پالیسی نے چشتیہ سلسلہ کا شیرازہ منتشر کر دیا۔ جو مشائخ سلطان کے ہم خیال نہ بن سکے اُن کی ساری عمر حکومت کی جارحانہ کارروائیوں کا مقابلہ کرنے میں بسر ہو گئی، اور ان کا جو وقت دینی اور اصلاحی کاموں میں صرف ہونا چاہیے تھا وہ حکومت کی نذر ہو گیا۔ جن مشائخ نے سلطان سے تعاون کر لیا وہ سلسلہ کے دینی اور اصلاحی پروگرام سے کٹ گئے اور ان کی صلاحیتیں حکومت کے کاموں میں لگ کر ضائع ہو گئیں۔ خانقہی فضا میں آنکھیں کھولنے والوں سے کسی نظام حکومت کو حسن و خوبی کے ساتھ چلانے کی توقع کرنا عبث تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سلسلہ تو ایسے لوگوں کی خدمات سے محروم ہو گیا جو اس کے نظام تعلیم و تربیت کو آگے بڑھا سکتے تھے لیکن حکومت اُن کی صلاحیتوں سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکی شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کے خاندان کے بیشتر افراد اور شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے مریدین کے اکثر گھرانے خانقاہوں سے نکل کر سیاست کے میدان میں داخل ہو گئے۔ اس سلسلہ میں خواجہ کریم الدین سمرقندیؒ، سید قطب الدین حسین کرمانیؒ، سید کمال الدینؒ، شیخ مظہر الدینؒ، شیخ معز الدینؒ، اور شیخ علم الدینؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اگر محمد بن تغلق نے ان مشائخ اور مشائخ زادوں کو خانقاہوں سے نہ نکالا ہوتا تو چشتیہ سلسلہ کی تاریخ کے دورِ اول کا خاتمہ شاید اس قدر جلد نہ ہوتا۔

خواجہ کریم الدین سمرقندیؒ بیانہ میں رہتے تھے۔ علم و فضل، فراست و کیاست میں دور دور شہرت تھی۔ بابا فرید گنج شکرؒ کی ایک نواسی اُن کے حبالہ نکاح میں تھیں۔ محمد بن تغلق نے اُن کو شیخ الاسلام کا خطاب دے کر سنگاؤں بھیج دیا۔ میر خورد نے لکھا ہے:

درآں دیار رفت و امور و مہمات مسلمانانِ اس دیار میں تشریف لے گئے اور اپنی

Marfat.com

آں دیار را بعقل کامل خود بر جادۂ معدلت باز آورد" [1]

عقل کامل کے زور سے مسلمانوں کی تمام مہمیں اور امور عدل وانصاف کے طریقہ پر واپس لے آئے۔

سید قطب الدین حسین کرمانیؒ صاحب سیر الاولیاء کے چچا تھے شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے ظل عاطفت میں پرورش پائی تھی۔ وہ خواجہ جہاں احمد ایاز کے ہمراہ دیوگیر چلے گئے: ورگو انہوں نے واضح طور پر یہ کہہ دیا تھا کہ

"بدو شرط در صحبت شما بباشم۔ اول آنکہ لباس سیادت و اہل تصوف بر من مقرر باشد و دوم آنکہ بہ ہیچ مشغلی معین مشغول نگردانند" [2]

میں دو شرطوں کے ساتھ تمہاری صحبت میں رہ سکتا ہوں۔ ایک یہ کہ سیادت و اہل تصوف کا جو لباس اب پہنتا ہوں وہی پہنا کرونگا، اور دوسرے یہ کہ مجھے کسی معین شغل میں مشغول نہ کیا جائے۔

اور ان پر وہ قائم بھی رہے لیکن سلسلہ کے نظام سے اُن کا تعلق منقطع ہو گیا۔ اس طرح صاحب سیر الاولیاء کے دوسرے چچا سید کمال الدین کرمانیؒ "بھی طبل و علم برداری" اور "گاؤں" اور "زمین" کے جھگڑوں میں پھنس گئے۔ محمد بن تغلق نے کچھ عرصہ انہیں بھاکسی (کہ نزدیک دیوگیر است) کے قید خانہ میں بند رکھا، پھر انہیں دربار میں طلب کیا۔ وہ صوفیانہ خرقہ پہن کر اور برابر کی دو زلفیں شانوں پر ڈال کر سلطان کے سامنے پہنچے تو اُس نے کہا:

تو از ما بدیں بہانہ می خواہی گریز کنی، و ما می خواہیم کہ پرداخت امورِ مملکت بمشورت شما کنیم" [3]

تم چاہتے ہو کہ اس بہانہ سے ہم سے بھاگ جاؤ اور ہم چاہتے ہیں کہ امور مملکت تمہارے مشورے سے طے کریں۔

اس کے بعد ان کو "ملک معظم" بنا دیا گیا۔

شیخ معز الدین اور شیخ علم الدین شیخ علاء الدین احمد دھنیؒ کے صاحبزادگان تھے سلطان نے ان دونوں کو بھی سیاسی کاموں میں لگا لیا شیخ معز الدینؒ کو گجرات کا انتظامی کام ایسے نازک

[1] سیر الاولیاء ص ۳۰۰ [2] ایضاً ص ۲۱۸ [3] ایضاً ص ۳۰۵

Marfat.com

وقت میں سپرد کیا گیا تھا جب وہ صوبہ باغیانہ تحریکوں کی آماج گاہ بنا ہوا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ "از دست ظالمان و باغیان بدرجۂ شہادت رسید" شیخ علم الدین کو مملکت ہندوستان کا شیخ الاسلام بنایا گیا تھا اور اس طرح بقول میر خورد "جمیع مشایخ روزگار منقاد و محکوم او گشتند" لیکن یہ سیاسی اقتدار اس روحانی عظمت کا بدل نہ بن سکا جو حکومت سے متعلق ہو جانے کے باعث وہ کھو بیٹھے تھے!

شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ اور سلطان

شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ دہلی میں شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے خلیفہ راستین تھے۔ عمر کا بڑا حصہ ریاضت اور مجاہدہ میں صرف کیا تھا۔ ایک زمانہ میں اُن کی خواہش تھی کہ کسی گوشہ میں بیٹھ کر اپنی پوری زندگی عبادت میں گزار دیں لیکن پیر و مرشد سے جب اس کی اجازت چاہی تو اُنہوں نے امیر خسرو کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ

اورا بگو ترا در میان خلق می باید بود و جفا اُن سے کہہ دو کہ تمہیں خلق میں رہنا چاہیے اور
و تعنک خلق می باید کشید و مکافات آں لوگوں کے جور و ظلم سہنے چاہئیں۔ اور ان کے
ببذل و ایثار و عطا می باید کرد[1] عوض میں بذل و ایثار اور سخاوت و بخشش کرنا چاہیے

محمد بن تغلق کے عہد میں اُن پر حوادث کا ایک طوفان گزر گیا لیکن اُنہوں نے فرمان شیخ کی بجا آوری سے سرمو گریز نہیں کیا۔ محمد بن تغلق سے ان کے تعلقات کی کشیدگی کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ وہ کسی قیمت پر اپنے پیر و مرشد کے مسلک سے ہٹ کر حکومتِ وقت سے رابطہ قائم کرنے پر آمادہ نہ تھے۔

دیوگیر روانگی سے قبل سلطان نے جن علماء و مشایخ کو دربار میں طلب کیا تھا، ان میں شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ بھی تھے۔ اس موقع پر شیخ شمس الدین یحییٰؒ اور مولانا فخر الدین زرادیؒ بھی بلائے گئے تھے اور موخر الذکر سے سلطان کی سخت گفتگو بھی ہو گئی تھی جس کا ذکر آگے آئیگا لیکن شیخ نصیر الدینؒ سے اس وقت کوئی بدمزگی نہیں ہوئی تھی لیکن بعد کو کسی

---

[1] سیر الاولیاء، ص ۱۹۶۔ [2] ایضاً ص ۲۳۷

سبب سے تعلقات میں انتہائی کشیدگی پیدا ہوگئی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب سلطان نے علماء و مشائخ سے دہلی چھوڑ کر دیوگیر جانے کا مطالبہ کیا تو شیخ کا طرزِ عمل کیا رہا؟ تذکروں میں اس کی بابت کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ ایسا خیال ہوتا ہے کہ غالباً شیخ نصیر الدینؒ نے دہلی چھوڑنے سے انکار کر دیا تھا اور یہی بات ان کے اور سلطان کے درمیان تعلقات کی خرابی کا سبب بن گئی[۱] اور سلطان نے اُن کو ایذائیں پہنچانا شروع کر دیں۔ ان ایذاؤں کی تفصیل معاصر مورخوں یا تذکرہ نویسوں نے نہیں دی۔ سید محمد گیسو درازؒ نے ایک بار اپنی مجلس میں اس کا ذکر کرنا چاہا تھا لیکن اُن کے دل کو اتنی تکلیف ہوئی کہ بیان کرنے کی ہمت نہ ہوئی[۲]۔ تاریخ محمدی میں صرف اتنا لکھا ہے:

"محمد بن تغلق شاہ بادشاہ جبار و شہریار قہار بود باں بزرگوار گفتار و کردار انواع آزار ظاہر گردانید۔ آں پیر دین دار ہیچ گاہ از صمیم سینہ آہے درد آلودہ نیاوردے و دعائے کہ موجب انہدام بناء دولت او بودے نکردے، مدت مدید بداں جفاء شدید مبتلا ماند"[۳]

محمد بن تغلق بڑا جابر اور قاہر بادشاہ تھا، اس نے ان بزرگوار کو زبان اور عمل سے بہت سی تکلیفیں پہنچائیں۔ (لیکن) وہ پیر دین دار کبھی اپنے سینہ سے درد بھری آہ تک نہ کھینچتے تھے نہ کبھی ایسی دعا کرتے تھے کہ اس کی سلطنت کی بنیادوں کے انہدام کا سبب بن جائے۔ طویل مدت تک اس شدید تکلیف میں مبتلا رہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ وہ زبردستی شیخ کو اپنے ساتھ سفر پر لے جایا کرتا تھا ایک بار اس نے شیخ کو تکلیف پہنچانے کے لیے یہ ترکیب کی کہ اُن کے سامنے سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا رکھ دیا۔ مقصد یہ تھا کہ اگر کھانا کھا لینگے تو شریعت کے خلاف عمل کرنے

---

[۱] محمد ہادی کامور خاں نے لکھا ہے کہ سلطان نے دیوگیر کو روانگی کے موقع پر شیخ کے سپرد کپڑے پہنانے کی خدمت کی تھی۔ (ہفت گلشن محمد شاہی، روٹوگراف قلمی نسخہ برٹش میوزیم ورق ۲۴۸ الف ب) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مخالفت کی ابتدا بھی اسی وقت سے ہوئی تھی۔

[۲] جوامع الکلم ص ۱۰۰ [۳] تاریخ محمدی (روٹوگراف) ۱۴۹ ب

Marfat.com

پر اُن سے جواب طلب کریگا، اگر کھانے سے انکار کرینگے تو حکم عدولی پر سزا دیگا۔ شیخ نے برتنوں سے سالن نکال کر ہاتھ پر رکھ لیا اور پھر کھایا۔ اس سے سلطان کو بڑی نا اُمیدی ہوئی۔[۱] شیخ عبدالحقؒ نے آگے چل کر لکھا ہے کہ سلطان نے اُن کو اپنا جامہ دار بنا دیا تھا اور انھوں نے یہ ساری تکلیفیں اپنے شیخ کے فرمان کی تعمیل میں برداشت کی تھیں۔[۲]

مولانا عبدالواحد کا بیان ہے کہ سلطان نے بہت سے مشائخ کو "خدمات" سپرد کی تھیں شیخ نصیرالدین چراغؒ کے سپرد بھی ایک کام کیا گیا۔ شیخ نے قبول کرنے سے انکار کیا تو سلطان نے

زیر استخوانہائے گلو سوراخہا کنانید و آں استخوانہا را بر سنہا محکم بستن فرمود و گفت کہ آں رسنہا را بر بلندی بندید و ایشاں را آویزاں دارید"[۳]

اُن کے گلے کی ہڈیوں میں سوراخ کرا دیے تھے اور ان ہڈیوں کو رسیوں سے مضبوط باندھنے کا حکم دیا تھا اور کہا تھا کہ ان رسیوں کو بلندی پر باندھا جائے اور اُن کو لٹکا رکھا جائے

بالآخر شیخ نے مجبور ہو کر کپڑے پہننے کی خدمت قبول کر لی۔ اور اس طرح اس اذیت سے نجات پائی۔[۴] فرشتہ نے بھی اسی طرح کی بات لکھی ہے۔ کہتا ہے :-

"محمد تغلق شاہ کہ بواسطہ بسیاری قتل و سیاست او را خونی می گفتند با درویشان سوئے مزاج بہم رسانیدہ حکم کرد کہ درویشان بطریق خدمت گاران خدمتہا نمایند پس یکے مرا تنبول خوراند و دیگرے دستار بہ بندد الغرض بسے مشائخ را خدمتے مقرر کردہ بشیخ نصیرالدین اودہی المشہور بچراغ دہلی تکلیف بجامہ پوشانیدن نمود شیخ

محمد تغلق شاہ جو قتل و خونریزی کی زیادتی کی بنا پر "خونی" کہا جاتا تھا، درویشوں سے ناخوش ہو کر اس نے حکم دے دیا کہ درویش خدمتگاروں کی طرح میری خدمت کریں۔ کوئی مجھے پان کا بیڑا کھلائے، کوئی دستار باندھے۔ الغرض بہت سے مشائخ کو اس نے خدمتیں سپرد کر دی تھیں شیخ نصیرالدین اودہی چراغ دہلوی کو کپڑے پہنانے کی تکلیف دی۔ شیخ نے قبول نہ کی۔ چنانچہ شیخ

---

[۱] اخبار الاخیار ص ۸۱ [۲] سبع سنابل ص ۶۴-۶۵

قبول نکردہ کار بخشونت کشید چنانچہ شیخ را تفاداده کی گردن پر گھونسا مار کر قید کر دیا۔

محبوس ساخت [1]

کسی معاصر تاریخ یا تذکرہ میں ان چیزوں کا ذکر نہیں ملتا۔ غالباً یہ سب بعد کی گھڑی ہوئی داستانیں ہیں۔ مولانا عبدالرحمٰن چشتی [2] اور محمد بولاق چشتی [3] نے ان تمام قصوں کو کذب عوام الناس میں شمار کیا ہے۔ مولانا عبدالواحد اور فرشتہ کے بیانات تو بے شبہ بے سر و پا افواہوں پر مبنی ہیں لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شیخ نصیر الدین رح کو جو بھی ایذائیں پہنچائی گئی تھیں وہ ایسی تھیں جن سے اُن کے معاصرین، متعلقین اور معتقدین کو سخت صدمہ پہنچا تھا۔ شیخ برہان الدین غریب رح کو دیوگیر میں جب اس کا علم ہوا تو بہت روئے اور کہا:

"چکنم، خوند مولانا محمود حلیم و کریم است	کیا کروں کہ خوند مولانا محمود حلیم و کریم ہیں اگر
واگر او بخواہد این زمین او را و جملہ لشکرو	وہ چاہیں تو زمین سلطان کو اور اس کے پورے
خلق و اسپاں و پیلاں او فرو برد و	لشکر و آدمیوں، گھوڑوں اور ہاتھیوں کو
آرد غے بر نیارد" [4]	اس طرح نگل جائے کہ ڈکار تک نہ لے۔

انھوں نے ہمدردی کا ایک خط بھی لکھا تھا جس کی پیشانی پر یہ رباعی تھی [5]:

تا بر سر عاشقاں بلاے نرسد	آوازۂ عشق شاں بجاے نرسد
رو بر سر کنگرہ سر مرداں بیں	نامرداں را خار بپاے نرسد

کہا جاتا ہے کہ جب اُن کے متعلقین نے اُن سے کہا کہ سلطان کے لیے بد دعا کریں تو انھوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ دوسروں کے لیے بد دعا کرنے سے خود تکلیف اُٹھانی آسان ہے۔ [6]

کیا واقعی محمد بن تغلق مشائخ اور علماء سے ذاتی خدمت لیتا تھا؟ عہد مغلیہ کے مورخین

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۳۹۹ [2] مراۃ الاسرار (قلمی) [3] مطلوب الطالبین (قلمی)
[4] [5] جوامع الکلم ص ۲۴۰ [6] تاریخ محمدی (روٹوگراف) ورق ۱۴۹ ب
صاحب سبع سنابل نے لکھا ہے کہ شیخ نے جواب میں صرف یہ شعر لکھا تھا:
چوں حوالہ ہائے این ضربت بجائے دیگر است ۔۔۔ ننگم آید گر بگویم کز فلاں رنجیدہ ام

Marfat.com

اور تذکرہ نویسوں نے ہمیں یقین دلانے کی کوشش کی ہے کہ صورت حال یہی تھی اور اسی بناء پر مذہبی طبقوں میں اس کے خلاف غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی تھی۔ لیکن جب مسئلہ پر غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک زبردست غلط فہمی ہے جو سلطان کے متعلق عام ہو گئی ہے۔ غالباً یہ بدگمانی ابن بطوطہ کے ایک جملہ کا مفہوم صحیح نہ سمجھنے سے پیدا ہوئی ہے۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے:

"فلما ولی السلطان محمد أراد ان یخدم الشیخ فی بعض خدمته فان عادته أن یخدم الفقهاء والمشایخ والصلحاء متبعا ان الصدر الاول رضی اللہ عنهم لم یکونوا یستعملون الا اهل العلم والصلاح" [1]

سلطان محمد شاہ بادشاہ ہوا تو اس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ مشائخ اور عالموں کو اپنی خدمتیں سپرد کیا کرتا تھا اور یہ دلیل لاتا تھا کہ خلفائے راشدین سوا اہل علم اور اہل صلاح کے کسی کو کوئی خدمت سپرد نہیں کرتے تھے" [2]

ظاہر ہے کہ محمد بن تغلق ان علماء و مشائخ سے وہی خدمت لینا چاہتا تھا جو خلفاء راشدین اہل علم اور اہل صلاح سے لیتے تھے [3] اور یہ خدمت حکومت کی ملازمت تھی۔ بعد کے مورخوں نے اس کو

---

[1] رحلہ جلد دوم ص ۵۴ [2] عجائب الاسفار ص ۱۳۰۔ مولوی محمد حسین نے خدمت کا ترجمہ "بھیک کی خدمت" کیا ہے جس سے مفہوم بدل گیا ہے۔ حالانکہ اس سے مراد حکومت کی ملازمت ہے۔

[3] قاضی ابو یوسف نے لکھا ہے: "حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ جب اُن کے پاس کوئی فوج مہیا ہوتی تھی تو اس پر ایسا افسر مقرر کرتے تھے جو صاحب علم اور صاحب فقہ ہوتا تھا"۔ کتاب الخراج ص ۱۲۰۔

حضرت چراغ دہلویؒ نے خود ایک بار اپنی مجلس میں بیان فرمایا تھا کہ: "ایک شخص امیر المومنین عمر بن خطابؓ کی خدمت میں آیا اور بولا: اے خلیفہ مجھے کہیں کی حکومت دیجیے۔ آپ نے پوچھا تو نے قرآن پڑھا ہے؟ کہا: نہیں۔ فرمایا، اول قرآن پڑھ" ملاحظہ ہو خیر المجالس ص ۱۳۳۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بھی صدر اول کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فکان لا یتولی القضاء ولا الافتاء الا مجتهد ولیس الفقیه الا مجتهد (حجۃ اللہ البالغہ ص ۳۲) یعنی مجتہد کے علاوہ قضاء اور فتوی کا کام کسی کے سپرد نہیں کیا جاتا تھا اور صرف مجتہد کو فقیہ کہا جاتا تھا ـــــ محمد بن تغلق کی فکر انہی دائروں میں گھول رہی تھی یہاں سوال یہ نہیں ہے کہ خلفاء راشدین کی طرح وہ یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب تھا یا نہیں یا اس کے اندر وہ اہلیت بھی تھی یا نہیں جو خلافت راشدہ کے طرز پر مسلمانوں کی زندگی کو ترتیب دینے کے لیے درکار ہے

باقی بر ۳۶۷

Marfat.com

جامہ اور پگڑی پہنانے کی خدمت بنا دیا اور سلطان کی خوب تشہیر کی۔

۱۳۴۹ء میں سلطان محمد طغی کا پیچھا کرتا ہوا گجرات سے تتہ پہنچا۔ دوران سفر میں وہ گوندل کے مقام پر بیمار پڑ گیا۔ اس زمانہ میں اس نے دہلی سے بعض مشایخ، علماء، اکابر و معارف کو معہ حرم کے گوندل طلب کیا۔[1] شیخ نصیرالدین چراغ دہلوی بھی ان لوگوں میں شامل تھے۔ معاصر تذکرہ نگاروں نے اس طلبی کا مقصد نہیں بتایا۔ صرف اتنا لکھا ہے کہ سلطان ان سے ناراض تھا۔[2] برنی نے غالباً عمداً اس مسئلہ پر خاموشی اختیار کی ہے لیکن اس کے بیان سے اتنا ضرور ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس وقت سلطان کچھ پریشان تھا۔[3] بدایونی نے لکھا ہے کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ نصیرالدین چراغ نے سلطان محمد کی غیر موجودگی میں فیروز کو دہلی کے تخت پر بٹھا دیا تھا۔ سلطان کو گوندل قیام کے زمانہ میں اس کی اطلاع ملی، چنانچہ اس نے حکم دیا کہ یہ سب لوگ دہلی سے قید کر کے لائے جائیں۔ یہ قیدی ابھی تتہ کے نواح ہی میں تھے کہ سلطان نے اُن کے قتل کا حکم دے دیا۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۶۶) ضروری تھی۔ یہاں صرف اس کے انداز فکر سے بحث ہے۔ اس نے جس بنیاد پر یہ مطالبہ کیا تھا اس سے اس کی فکر کی توانائی اور خیالات کی گہرائی کا اندازہ ہوتا ہے۔ خلافت راشدہ واپس نہیں لائی جا سکتی تھی اس لیے کہ جن تاریخی قوتوں کی پیداوار تھی وہ اب موجود نہیں تھیں لیکن اسلامی اصولوں کی آفاقیت اور ہمہ گیری میں اس کا اعتقاد اتنا گہرا تھا کہ خلافت راشدہ کے اصولوں کو نئے حالات میں برسرِ کار لانے کی تمنا کر رہا تھا۔

(نوٹ صفحہ ہذا) [1] تاریخ فیروز شاہی ص ۵۲۳۔ [2] میر خورد نے لکھا ہے: از آنجا شیخ نصیرالدین محمود را با علماء و بزرگان حضور خود طلبید (سیر الاولیاء ص ۲۴۶) امیر حسینی کا بیان ہے کہ "محمد بن تغلق تکلیف ایشاں را کردہ بود" (بحر المعانی ص ۱۱۰) اور یحییٰ عفیف کا بیان ہے کہ شیخ نصیرالدین محمود را سلطان محمد تتہ برابر خود برده بود (تاریخ فیروز شاہی ص ۸۲) بظاہر یہ بیانات بالکل متضاد معلوم ہوتے ہیں، لیکن یہ بات اگر ذہن میں رہے کہ سلطان نے شیخ کو گوندل طلب کیا تھا اور وہاں سے اُن کو تتہ ساتھ لے کر گیا تھا، تو یہ تضاد دور ہو جائیگا۔ جوامع الکلم کا یہ بیان کہ شیخ "اثنائے راہ میں لوٹ آئے، سلطان محمد مر گیا" (اردو ترجمہ ص ۳۸۰) غلط ہے۔

[3] جوامع الکلم ص ۳۸۰، گلزار ابرار (قلمی)، تتہ جاتے ہوئے شیخ نصیرالدین نارنول ٹھہرے تھے اور شیخ محمد ترک نارنولی کے مزار پر بہت دیر تک مراقبہ میں مستغرق رہتے تھے اور کشائش مشکل کے لیے دعائیں مانگی تھیں۔ اخبار الاخیار ص ۴۰، سید محمد گیسو دراز کا بیان ہے کہ تتہ روانگی کے وقت شیخ نے انہیں ہدایت کی تھی کہ روزانہ قطب صاحب کی مزار پر جایا کریں۔ جوامع الکلم ص ۱۸۴

[4] تاریخ فیروز شاہی ص ۵۲۴، لکھا ہے کہ سلطان کو ملک کبیر کے انتقال کی خبر ملی تھی اور اس سے سلطان منقسم دل گشت۔

اس حکم کی تعمیل ہونے سے پہلے سلطان کا انتقال ہوگیا اور یہ سب قیدی سزا سے بچ گئے۔[1] بدایونی کے اس بیان کی تصدیق کسی معاصر مورخ کے بیان سے نہیں ہوتی۔[2]

بہرحال سلطان کے انتقال کے بعد لوگوں نے شیخ نصیرالدینؒ سے دریافت کیا کہ آخر کیا وجہ تھی کہ سلطان ان کو اس قدر پریشان کرتا تھا؟ فرمایا۔—

"میان من وحق جل وعلیٰ معاملہ بود آں را بدیں برداشتند"[3]

میرے اور حق جل وعلیٰ کے درمیان ایک معاملہ تھا۔ اس کو اس طرح طے کیا گیا۔

اور تفصیل میں جانے سے انکار کردیا![4]

شیخ فخرالدین زرادیؒ اور سلطان

شیخ فخرالدین زرادیؒ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے خلفاء میں خاص مقام رکھتے تھے۔ علم وفضل، زہد وورع، ترک وتجرید میں اپنی مثال آپ تھے۔ محمد بن تغلق نے دیوگیر جانے سے قبل انہیں معہ دیگر علماء ومشائخ کے دربار میں طلب کیا تھا۔ وہ سلطان سے ملاقات کرنے پر آمادہ نہ تھے اور کہتے تھے:

"من سر خود پیش ایں در سرائے ایں مرد غلطیدہ می بینم، یعنی باد مسامحت نخواہم کرد واو زندہ نخواہد گذاشت"[5]

میں اپنے سر کو اس مرد کے گھر کے دروازہ پر (خون) میں غلطاں دیکھتا ہوں۔ میں (اس کی باتوں پر) چشم پوشی نہ کرونگا اور وہ مجھے زندہ نہ چھوڑیگا

---

[1] منتخب التواریخ جلد اول ص ۲۴۲، [2] برنی نے صاف لکھا ہے کہ محمد بن تغلق نے فیروز کو "مستخلف خود" اور "ولی عہد خود" (ص ۵۳۲) بنادیا تھا۔ ایسی صورت میں بغاوت کا کوئی امکان نہ تھا۔ پھر شیخ نصیرالدین نے جن کی سلطان محمد سے مخالفت صرف اس بنا پر تھی کہ وہ حکومت کے کاموں میں حصہ لینے پر آمادہ نہ ہوتے تھے، اپنے مسلک سے ہٹ کر کس طرح دخل دے سکتے تھے!

[3] سیرالاولیاء ص ۲۴۶۔ [4] اس عہد کے مورخوں نے سلطان کی موت کو شیخ نصیرالدینؒ کو تکلیف پہنچانے کی سزا قرار دیا ہے۔ میر خورد نے لکھا کہ چونکہ اس نے "احترام ایشاں کما ہو حقہٗ بجا نیاورد آں احتمال ایشاں بادشاہ مذکور را از تخت سلطنت در تختۂ تابوت کردہ در شہر آوردند" (سیرالاولیاء ص ۲۴۶) اس بیان سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ محمد بن تغلق کے سندھ میں مدفون ہونے کا خیال صحیح نہیں۔ ملاحظہ ہو اسلامک کلچر جنوری ۱۹۳۵ء ص ۷۱-۷۴۔ [5] حالات کے لیے ملاحظہ ہو سیرالاولیاء ص ۲۶۲-۲۷۵، اخبارالاخیار ص ۹۰-۹۲۔ معارج الولایت ج ۱ ص ۳۰۷-۳۱۰۔ [6] سیرالاولیاء ص ۲۷۱۔

Marfat.com

مجبوراً دربار میں گئے۔ قطب الدین دبیر اُن کا شاگرد خاص تھا۔ اُن کی جوتیاں بغل میں لے کر غلاموں کی طرح پیچھے کھڑا ہو گیا۔ سلطان نے اُن سے مخاطب ہو کر کہا: "میں چنگیز خاں کے خاندان کو تباہ کرنا چاہتا ہوں تم اس کام میں میرا ساتھ دو گے؟" مولانا نے فرمایا: "ان شاء اللہ" سلطان نے کہا: یہ شک کا کلمہ ہے۔ مولانا نے جواب دیا: مستقبل کے لیے یہی استعمال ہوتا ہے۔ یہ سُن کر سلطان کو غصہ آگیا لیکن اس نے غصہ پر قابو پاتے ہوئے کہا: ہمیں کچھ نصیحت کیجیے۔ مولانا نے فرمایا: غصہ کو نگل جاؤ۔ سلطان نے پوچھا کس غصہ کو؟ مولانا نے جواب دیا: عضب سبعی (یعنی جانوروں کے غصہ کو) سلطان کے چہرے سے غصے کے آثار ظاہر ہونے لگے لیکن اُس نے مولانا کی شان میں گستاخی کی جرأت نہ کی۔ اس کے بعد کھانا منگوایا گیا اور سلطان نے ایک ہی طباق میں مولانا کے ساتھ اس طرح کھانا کھایا کہ ہڈیوں سے گوشت چھانٹ کر اُن کے سامنے رکھتا رہا۔ مولانا نے نہایت ناخوشی اور کراہت سے تھوڑا کھانا کھا کر ہاتھ دسترخوان سے اُٹھا لیا۔ رخصت کرتے وقت سلطان نے ایک صوف کا جامہ اور ایک تھیلی پیش کی۔ شیخ اس کو قبول کرنا نہیں چاہتے تھے اور غالباً یہی انکار ان کی سزا کا سبب بن جاتا لیکن اس سے پہلے کہ وہ منع کریں، قطب الدین دبیر نے خلعت اور تھیلی اپنے ہاتھ میں لے لی۔ محمد بن تغلق نے بعد کو قطب الدین دبیر کو اس حرکت پر نہایت سختی سے ڈانٹا اور کہا:

"اے مزوّر روشکال ایں چہ حرکتہا بود کہ کردی، اول کفشہائے فخرالدین را زیر بغل گرفتی بعدہٗ جامہ و سیم او خود بستدی و او را از تیغ من خلاص دہانیدی و بلائے او بر خود گرفتی"[1]

اے مکار اور حیلہ باز! یہ کیسی حرکتیں تو نے کی تھیں اول تو تو نے فخرالدین کے جوتے بغل میں مار لیے بعدہٗ اُن کی خلعت اور چاندی اپنے ہاتھ میں لے لی اور میری تلوار سے اُنہیں بچا دیا اور اپنے اوپر اُن کی بلا لے لی۔

[1] سیر الاولیاء ص ۲۷۳۔ مولانا جمالی نے شیخ فخرالدین زرادیؒ کی جگہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کا نام

Marfat.com

قطب الدین دبیر نے جواب دیا: وہ میرے اُستاد اور میرے مخدوم کے خلیفہ ہیں، میرا فرض ہے کہ ان کی جوتیاں سر پر رکھوں۔ سلطان کو غصہ آگیا اور کہنے لگا:

"ایں اعتقاد ہائے کفر آمیز را بگذار والا ان کفر آمیز اعتقادوں کو چھوڑ دے ورنہ تجھے
ترا خواہم کشت" [1] مار ڈالونگا۔

جب سلطان نے علما و مشایخ کو دیوگیر بھیجنا شروع کیا، تو مولانا فخرالدین زرادیؒ کو بھی یہ سفر اختیار کرنا پڑا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان نے ان صوفیہ کو مکمل آزادی دی تھی کہ وہ دیوگیر میں اپنی مخصوص رسوم کو جس طرح چاہیں ادا کریں۔ سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک رات دولت آباد میں "حوض سلطان" کے کنارے مولانا فخرالدین زرادیؒ نے محفل سماع مرتب کی مسعود سحر خواں نے خسروؒ کے اشعار ایسی خوش الحانی سے پڑھے کہ مولانا پر وجد و گریہ کی کیفیت طاری ہوگئی اور وہ ہلاکت کے قریب پہنچ گئے۔ لیکن دولت آباد کی فضا میں اُن کا دل نہ لگا، اور وہاں سے خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے روانہ ہوگئے، واپسی میں اُن کا جہاز غرق ہوگیا اور وہ واپس ہندوستان نہ آسکے [2]

شیخ قطب الدین منورؒ اور سلطان

شیخ قطب الدین منورؒ شیخ جمال الدین ہانسویؒ کے پوتے اور شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے خلیفہ تھے۔ ہانسی میں ان کی خانقاہ مرجعِ خلائق تھی۔ محمد بن تغلق نے ایک مرتبہ دو گاؤں کا فرمان قاضی کمال الدین صدر جہاں کی معرفت اُن کی خدمت میں بھیجا تھا لیکن انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ [3] جب سلطان ہانسی کی طرف گیا تو شیخ حسن برہنہ کو بھیجا کہ شیخ کو دربار میں لے کر آئیں۔ شیخ قطب الدین منورؒ نے ان سے پوچھا کہ اس معاملہ میں مجھے اختیار دیا گیا ہے یا نہیں۔ حسن برہنہ نے بتایا کہ حکم شاہی ہے کہ آپ کو دربار میں حاضر کیا جائے۔ شیخ نے فرمایا: "الحمد للہ کہ میں اپنے اختیار سے بادشاہ کے پاس نہیں جاتا" اہل خانہ کو خدا کے سپرد کیا اور کندھے پر مصلّی ڈال ہاتھ میں لکڑی لے پیادہ پا روانہ ہوگئے۔ جب اپنے والد

---

[1] سیر الاولیاء، ص ۲۰۳ [2] ایضاً ص ۲۷۵ [3] ایضاً ص ۲۵۰-۲۵۱

Marfat.com

اور دادا کے مزارات سے گزرے تو کہنے لگے: "میں آپ کے بتائے ہوئے گوشہ اور اپنے گھر سے خود اپنی مرضی سے نہیں نکلا ہوں بلکہ بادشاہ کے بھیجے ہوئے آدمی مجھے کشاں کشاں لیے جاتے ہیں۔ مجھے سوائے اس کے کسی بات کا افسوس نہیں کہ چند بندگانِ خدا کو بے خرچ اور بغیر کسی بھروسہ کے چھوڑے جاتا ہوں" روضہ سے باہر آئے تو ایک شخص نے کچھ فتوح پیش کی۔ آپ نے قبول کر کے فرمایا: "میرے گھر والے بے خرچ ہیں اُن کو پہنچا دو"۔ جب شاہی خیمے کے قریب پہنچے تو سلطان اُنہیں اپنے سامنے طلب کر کے دہلی روانہ ہو گیا۔ دہلی میں شیخ نے فیروز سے ملاقات کی اور کہا کہ ہم درویش لوگ ہیں بادشاہوں کی مجلس میں جانے کے آداب نہیں جانتے۔ تم جو بتاؤ وہ کیا جائے۔ فیروز نے مشورہ دیا کہ بادشاہ کی خدمت میں تواضع اور نرمی سے پیش آئیں۔ شیخ اپنے بیٹے شیخزادہ نورالدین کے ساتھ دربار میں پہنچے۔ شیخزادہ پر درباری کروفر کا ایسا اثر ہوا کہ جسم میں لرزہ طاری ہو گیا۔ شیخ نے اُن کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: بابا نورالدین! العظمۃ والکبریاء للہ۔ جب محمد بن تغلق سے ملاقات ہوئی اور اس نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا تو آپ نے اس طرح سے اس کا ہاتھ دبایا کہ وہ آپ کی روحانی عظمت کا قائل ہو گیا۔ سلطان نے شکایت کی کہ ہانسی میں وہ اس سے ملاقات کے لیے کیوں نہیں آئے۔ شیخ نے کہا کہ یہ درویش اس قدر وقعت نہیں رکھتا کہ بادشاہوں کی ملاقات کو جائے لیکن

در گوشہ بدعاگوئی بادشاہ و کافہ اہل اسلام مشغول می باشد۔ معذور می باید داشت"	ایک گوشہ میں بادشاہ اور مسلمانوں کے لیے دعاگوئی میں مصروف رہتا ہے۔ اُسے حاضری سے معذور رکھنا چاہیے۔

سلطان کا دل اُن کی طرف سے صاف ہو گیا۔ اور اس نے فیروز اور ضیاء الدین برنی کو ایک لاکھ تنکہ لے کر اُن کی خدمت میں بھیجا۔ بڑے اصرار کے بعد شیخ نے دو ہزار تنکہ قبول کیے اور فرمایا

سبحان اللہ درویش را دو سیر کچری و انگبیر	سبحان اللہ! درویش کو صرف دو سیر کھچڑی اور

روغن کفاف باشد او ہزار را چہ کند"[1] ایک دانگ گھی کفایت کرتا ہے، وہ ہزاروں لے کر کیا کریگا۔

شیخ شرف الدین یحییٰ منیری اور سلطان

شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ[2] فردوسیہ سلسلہ کے سب سے زیادہ معروف بزرگ تھے۔ "آداب طریقت" اور "اسرار حقیقت" کو جس انداز سے انہوں نے اپنے مکتوبات میں سمجھایا ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔ محمد بن تغلق کو اُن سے بڑی عقیدت تھی۔ بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ سلطان نے ایک جاگیر بھی پیش کی تھی، جو اس وقت تو شیخ نے قبول کر لی، لیکن بعد کو فیروز شاہ کو واپس کر دی۔ معدن المعانی سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان نے ایک بار دہلی سے اُن کے لیے ایک مصلائے بلغار بھیجا تھا[3]۔ عبدالرحمان چشتی نے لکھا ہے کہ

"سلطان محمد بن تغلق شاہ فرمان باسم مجدالملک حاکم بہار فرستاد کہ خانقاہ سنگین برائے خدام شیخ شرف الدین عمارت کند و گویند کہ تا امروز ہماں عمارت خانقاہ برپاست[4]"

سلطان محمد بن تغلق نے حاکم بہار مجدالملک کے نام فرمان بھیجا کہ شیخ شرف الدین کے خدام کے لیے پتھر کی خانقاہ بنوائی جائے۔ کہتے ہیں کہ ابھی تک خانقاہ کی وہی عمارت ہے۔

شیخ شرف الدین پانی پتیؒ اور سلطان

غیاث الدین تغلق کی شیخ سے عقیدت کا ذکر پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن تغلق کو بھی اُن سے عقیدت تھی۔ ایک بار سلطان نے ان کو یہ رباعی لکھ کر بھیجی تھی ؎

گر راست کند صورت مردی زنی — گر بشکند ایں طلسم جاد و وطنی
کس نیست کہ استاد قضا را بیند — کز ہر چہ سازی و چرا می شکنی

---

[1] سیر الاولیاء ص ۲۵۵ — [2] حالات کے لیے ملاحظہ ہو: اخبار الاخیار ص ۱۱۶-۱۲۱، گلزار ابرار (قلمی)، مراۃ الاسرار (قلمی) ص ۶۹۲-۶۹۹۔
[3] معدن المعانی ص ۴۷۱
[4] مراۃ الاسرار (قلمی نسخہ) ص ۶۹۶۔

شیخ شرف الدینؒ نے جواب دیا ؎

شرط ست کہ در امرِ قضا دم نزنی　　ایں نوع کہ گفتی نہ تو مردی نزنی
گل را چہ مجال است کہ پرسد ز کلال　　کز بہر چہ سازی و چرا می شکنی[1]

بعض صوفیہ و مشائخ کے قتل محمد بن تغلق نے بعض صوفیہ اور مشائخ کو نہایت سخت سزائیں دی تھیں۔ ان سزاؤں کا بڑا سبب حکومت کی پالیسی سے عدم تعاون تھا۔ سلطان ایسی صورت میں غصہ سے بھڑک اُٹھتا تھا اور اس کی سزائیں شرعی حدود سے تجاوز کر جاتی تھیں۔ دو مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱) شیخ شہاب الدین بن شیخ احمد جام[2]۔ اپنے عہد کے مشہور بزرگ تھے۔ چودہ[14] چودہ دن تک برابر روزہ رکھتے تھے۔ سلطان قطب الدین اور غیاث الدین اُن سے ملاقات کے لیے جاتے تھے۔ محمد بن تغلق نے کوئی خدمت اُن کے سپرد کرنی چاہی تو انہوں نے انکار کیا۔ سلطان نے دربارِ عام میں بالمشافہ اُن سے کہا لیکن انہوں نے پھر بھی انکار کر دیا۔ سلطان غصہ سے بھڑک اُٹھا اور شیخ ضیاء الدین سمنانی کو ان کی داڑھی نوچنے کا حکم دیا۔ شیخ سمنانی نے انکار کیا تو اُن کی بھی داڑھی نچوا دی۔ پھر شیخ شہاب الدین کو دولت آباد بھیج دیا گیا۔ سات برس کے بعد سلطان نے انہیں واپس بلایا اور اُن کی بڑی تعظیم کی اور عاملوں سے بقایا وصول کرنے کا کام اُن کے سپرد کیا۔ بعد کو اُن کے مراتب میں اور اضافہ کر دیا گیا۔ لعراا

---

[1] ہفت اقلیم بحوالہ اورنٹیل کالج میگزین۔ فروری ۱۹۲۵ء ص ۶۶۔

[2] یحییٰ سرہندی نے ان کا نام شیخ زادہ جامی لکھا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اُنہوں نے سلطان کا ظلم بتایا تھا۔ "ہر کہ را سیاست میکنی حق یا ناحق العہدۃ علیک۔ اما ایں کہ زن و فرزندان او را گرفتہ بہ جلادان می سپاری تا ایشاں را بفروشند، ایں چنیں ظلم و ستم در کدام مذہب آمدہ است (تاریخ مبارک شاہی ص ۱۱۶) یہ اعتراض صحیح نہیں تھا اور غالباً اسی بناء پر سلطان غصہ سے باہر ہو گیا تھا کسی معاصر مورخ نے یہ نہیں لکھا کہ سلطان نے بچوں اور عورتوں کو بھی سزائیں دی تھیں۔

اُن کے پاس سلام کو جایا کرتے تھے اور" بادشاہ کے گھر میں بھی کوئی شخص اُن سے اعلیٰ عہدے پر نہ تھا" جب سلطان سرگ دواری چلا گیا تو وہ اجازت لے کر دہلی ہی میں رہنے لگے۔ بادشاہ نے شہر سے چھ میل کے فاصلے پر ایک بڑا نجر رقبہ اُن کو دے دیا۔ اُنہوں نے ایک بڑا غار کھدوایا اور اُس کے اندر گھر، گودام، تنور اور حمام تعمیر کرائے۔ اور دریائے جمنا میں سے ایک نہر کاٹ کر زمین کو آباد کیا۔ اُن کے خادم دن میں زمین کا کام کرتے تھے اور رات کو مع مویشی کے غار کے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیتے تھے۔ بعد کو جب سلطان نے انہیں طلب کیا تو انہوں نے حاضر ہونے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں اس ظالم بادشاہ کی خدمت ہرگز نہ کرونگا۔ سلطان نے انہیں پکڑوا کر بلوایا اور ظالم کہنے کا سبب پوچھا شیخ نے اس کے مظالم گنوائے اور خصوصیت کے ساتھ دہلی کے باشندوں کو دیوگیر لے جانے کا ذکر کیا۔ سلطان نے اپنی تلوار نکال کر صدر جہاں کے ہاتھ میں دی اور شیخ سے کہا کہ مجھے ظالم ثابت کر اور میری گردن اس تلوار سے اُتار دے۔ شیخ نے کہا کہ جو شخص تجھ پر ظالم ہونے کی شہادت دیگا وہ خود قتل کیا جائیگا لیکن تو خوب جانتا ہے کہ تو ظالم ہے۔ محمد بن تغلق نے ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑی اور پیروں میں بیڑیاں ڈلوا دیں۔ شیخ نے چودہ دن تک کچھ نہ کھایا۔ سلطان نے کھانا بھجوایا تو انہوں نے یہ کہہ کر کھانے سے انکار کر دیا کہ میرا رزق تو زمین سے اُٹھ گیا ہے سلطان نے اُن کے مُنہ میں زبردستی گوبر ڈلوایا اور پھر قتل کرا دیا۔[1]

(۲) شیخ شمس الدین ابن تاج العارفین، کوئل میں رہتے تھے اور بڑے زاہد و عابد تھے سلطان جب کوئل گیا تو اُن کو ملنے کے لیے بُلایا، لیکن وہ نہ آئے سلطان خود گیا تو کہیں چلے گئے۔ بعد کو سلطان کو معلوم ہوا کہ اُنہوں نے ایک باغی امیر کی ان الفاظ میں تعریف کی تھی کہ وہ بادشاہی کے لائق ہے۔ سلطان نے کچھ دنوں اُنہیں قید رکھا۔ پھر اُنہیں اور اُن کے بیٹوں کو قتل کرا دیا۔[2]

---

[1] عجائب الاسفار ص ۱۳۷، ۱۳۹ [2] ایضاً ص ۱۴۶، ۱۴۷

Marfat.com

ابن بطوطہ کے سفرنامہ میں اسی طرح کی چند مثالیں اور بھی ملتی ہیں۔ ان بزرگوں کے قتل کا سبب یہی تھا کہ وہ سلطان کے کاموں اور منصوبوں میں نہ صرف اس کی مدد کرنے پر آمادہ نہ ہوتے تھے بلکہ جب موقع ملتا تھا تو باغیانہ عناصر کے ساتھ مل کر سلطان کے خلاف کارروائیوں میں مصروف ہو جاتے تھے[1]

تعمیر مزارات محمد بن تغلق نے اپنے دورِ حکومت میں کئی مشہور بزرگوں کے مزارات تعمیر کرائے۔ بدایوں میں میراں ملہمؒ، دہلی میں شیخ نظام الدین اولیاءؒ، ملتان میں شیخ رکن الدین ملتانیؒ اور اجودھن میں شیخ علاء الدینؒ کا مزار اسی نے بنوایا تھا۔ میر ملہم شہید بدایوں کے قدیم ترین بزرگوں میں تھے۔ ان کا شمار سید سالار مسعود غازیؒ کے رفیقوں میں ہوتا تھا[2]۔ سلطان محمد نے ان کا مزار از سرِ نو تعمیر کرایا اور اس پر یہ کتبہ لگایا:

"اتمت عمارۃ جدید فی عہد سلطان الاعظم ابو المجاہد فی سبیل اللہ محمد بن تغلق شاہ السلطان ناصر امیر المؤمنین خلد اللہ ملکہ و سلطانہ و اعلی امرہ وشانہ المعمار محمد سلطانی یوم احدی الثامن من ربیع الآخر ۷۲۸ھ"[3]

ہر چند کہ شیخ نظام الدین اولیاء کی مرضی نہ تھی کہ ان کو کسی عمارت کے نیچے دفن کیا جائے لیکن محمد بن تغلق نے ان کے روضہ پر ایک عالی شان گنبد تعمیر کرا دیا[4]۔ شیخ رکن الدین ملتانیؒ کو شیخ بہاء الدین زکریا کی پائنتی کو دفن کیا گیا تھا لیکن محمد بن تغلق نے قلعہ کے شمالی دروازہ کے پاس ان کے لیے علیحدہ روضہ تیار کرا دیا۔ شیخ علاء الدینؒ کا جب انتقال ہوا تو لوگوں نے اجودھن سے کشمیر تک

"از غایت محبت و اعتقاد مقامہا ساختہ... و قبرہا کردہ"

محمد بن تغلق نے اجودھن میں ان کے روضہ پر ایک عالی شان گنبد تعمیر کرایا[5]۔ جہاں تک

---

[1] شیخ حیدی کے قتل کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے کھمبایت کی بغاوت میں قاضی جلال اتغانی سے سازش کر لی تھی۔ عجائب الاسفار، ص ۱۴۸، ۱۴۹۔ [2] کنز التاریخ (تاریخ بدایوں) از موسوی رضی الدین بسمل، ص ۵۱۔
[3] میر الاولیاء، ص ۱۵۴ [4] ایضاً ص ۱۹۶۔ و نیز ص ۱۹۳

Marfat.com

مزارات پر حاضری کا تعلق ہے، تاریخ میں صرف سید سالار مسعود غازیؒ کے مزار پر اس کے حاضر ہونے کا حال ملتا ہے۔ برنی نے لکھا ہے:

"در بہرائچ رفت و سپہ سالار مسعود شہید راکہ از غزاۃ سلطان محمود سبکتگین بود، زیارت کرد و مجاوران روضۂ او را صدقات بسیار داد"[1]

بہرائچ گیا اور سپہ سالار مسعود شہید کے مزار کی جو سلطان محمود سبکتگین کے غزاۃ میں سے تھے زیارت کی اور مجاوروں کو بہت سے صدقات دیے۔

خلافت سے تعلقات

خلافت سے تعلقات کے سلسلہ میں جب ہم سلطان محمد بن تغلق کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو دو مختلف دور نظر آتے ہیں۔ پہلا دور ابتداء عہد سے ۷۴۱ھ/۱۳۴۰ء تک دوسرا ۷۴۱ھ/۱۳۴۰ء سے اختتام عہد تک۔ پہلے دور میں سلطان نے خلافت کو تقریباً نظر انداز کر دیا تھا دوسرے دور میں سلطان نے خلافت سے جس عقیدت کا اظہار کیا وہ سلاطین اسلام کی تاریخ میں یقیناً عدیم النظیر ہے۔

پہلے دور کے سکوں پر خلیفہ کا نام نہیں ملتا۔ اس کی بجائے خلفاء راشدین کے نام، آیات قرآنی اور کلمۂ طیبہ وغیرہ کندہ ہیں بعض سکوں پر "وللہ الغنی وانتم الفقراء" بعض پر "محیی سنن خاتم النبیین"[2] بعض پر "الملک والعزۃ للہ"[3] کھدا ہوا ہے ۷۳۱-۳۲ھ/۱۳۳۰-۳۱ء میں جو سکے دیوگیر سے جاری ہوئے اُن پر "من اطاع السلطان فقد اطاع الرحمٰن" (جس نے سلطان کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی) "اطیعوا اللہ، اطیعوا الرسول واولی الامر منکم"، "لا یولا السلطان کل الناس بعضہم بعضاً" وغیرہ کلمات اور آیات کندہ ہیں[4]۔ دیوگیر کے سلسلہ میں جو عام مخالفت پیدا ہو گئی تھی اس کو شاید سلطان فرائض مذہبی کی یاد دلا کر

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۴۹۱، نیز عجائب الاسفار۔ ص ۱۸۲۔

[2] خلافت سے بالکل قطع تعلق کر لینے کا خیال صحیح نہیں۔ اس زمانہ کے سکوں پر گو خلیفہ کا نام نہیں ملتا لیکن عمارتوں پر ناصر امیر المومنین لکھا ہوا ملتا ہے۔ مثلاً ۷۲۸ھ کا کتبہ مزار میر ملہم بدایونی۔ Nelson Wright p. 121;

[3] N. Wright p.120 ; Thomas p.216

[4] Thomas p. 21-216.

[5] N. Wright p.143 ; Thomas p. 249-250, [6] N. Wright p.120

ختم کرنا چاہتا تھا۔ بہرحال اس دور کے کسی سکّہ پر عباسی خلیفہ کا نام نہیں ملتا۔

دوسرے دور میں جو ۷۴۳ھ سے شروع ہوتا ہے، سلطان کے خیالات میں بڑی زبردست تبدیلی ہوگئی تھی اس زمانہ کے اکثر سکّوں پر صرف خلیفہ کا نام کندہ ہے۔ سلطان کا کہیں ذکر نہیں[1] سلطان کے خیالات میں اس تبدیلی کا کیا سبب تھا؟ بعض مصنفین کا خیال ہے کہ جب مسلمانوں کے مذہبی حلقوں، بالخصوص علماء و مشائخ میں سلطان کے خلاف بے چینی پیدا ہوگئی اور عوام بھی اس سے متاثر ہو کر سلطان سے برگشتہ ہونے لگے تو اُس نے خلیفہ سے منشور حاصل کرنے کی کوشش کی تاکہ اس طرح مذہبی حلقہ کی مخالفت کو ختم کر سکے۔ ممکن ہے کہ اس منشور کو وہ سیاسی حربہ کے طور پر استعمال کرنا چاہتا ہو، لیکن معاصر مورخین اور تذکرہ نویسوں نے خلیفہ سے تعلقات کی جو تفصیل بیان کی ہے اس سے خلوص اور عقیدت ٹپکتی ہے۔

برنی نے لکھا ہے:۔

"درخاطر افتاد کہ سلطنت و امارت سلاطین بے امر دادن خلیفہ درست نیست و ہر بادشاہی کہ بے منشور خلفاء عباسی بادشاہی کردہ است و یا بادشاہی کند، متغلب بودہ است و متغلب بود"[2]	اس کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ سلطنت و امارت بغیر خلیفہ کی اجازت کے درست نہیں اور ہر وہ بادشاہ جس نے بغیر خلفاء عباسی کی اجازت کے بادشاہی کی ہے یا بادشاہی کریگا متغلب رہا ہے اور رہیگا۔

سیرت فیروز شاہی کے مصنف کا بیان ہے کہ "بکثرت مطالعہ کتب" کے باعث سلطان کی یہ رائے قائم ہوگئی تھی[3] تاریخ الفی میں لکھا ہے کہ سلطان کے اُستاد قتلغ خاں نے یہ بات اس کے ذہن نشین کرادی تھی کہ خلیفہ کی اجازت کے بغیر حکومت جائز نہیں۔

---

[1] N. Wright, p. 169-172; Thomas, p. 53-60

[2] تاریخ فیروز شاہی ص ۴۹۱ [3] سیرت فیروز شاہی، ورق ۱۳۹۔

Marfat.com

تاتاریوں کے ہاتھوں بغداد کی خلافتِ عباسیہ کا خاتمہ ہونے کے بعد مصر میں از سرِ نو خلافت کا نظام قائم کیا گیا تھا۔ تعجب کی بات ہے کہ ممالک اسلامیہ سے اتنے تعلقات ہونے کے باوجود محمد بن تغلق کو اس سلسلہ میں کافی تحقیقات کرنی پڑی۔ برنی کا بیان ہے کہ

وار خلفاء عباسی سلطان از مسافران	سلطان خلفاء عباسی کے متعلق مسافروں سے
بسیار تتبع می کرد تا از بسیار مسافراں شنید	بہت تحقیق کرتا تھا یہاں تک کہ اُس نے بہت
کہ خلیفہ از آل عباس در مصر بر خلافت	سے مسافروں سے سُنا کہ آل عباس کا خلیفہ
متمکن است"	مصر میں خلافت پر متمکن ہے۔

غالباً سرکردوادی قیام کے دوران میں سلطان کو یہ اطلاع ملی اور اس نے معہ اعوان و انصار دولت" خلیفہ مصر سے بیعت کرلی۔ اور ایک عرضداشت اس کی خدمت میں ارسال کی جس میں بقول برنی "از ہر بابت چیزہا دراں می نوشت"۔ دہلی آنے کے بعد سلطان نے نماز جمعہ و عیدین بند کرادی اور سکوں سے اپنا نام دور کرا دیا۔

۱۳۴۴ء/۷۴۴ھ میں جب حاجی سعید صرصری کی سرکردگی میں مصر کے دربار خلافت سے خلعت اور فرمان آیا تو سلطان نے شہر سے باہر نکل کر استقبال کیا۔ بدر چاچ نے لکھا ہے۔

باستقبال فرمانے کہ از پیشِ امام آمد	برہنہ پا و سر کردہ چوں ایماں شد ز اسلامش
خلائق پیش و پس پویاں ملائک ذکر حق گویاں	ز جزع شہ شدہ غلطاں گہر بر نقرۂ خامش
امیر المومنیں فرمود تا ہر جمعہ بر منبر	بہفت اقلیم می خوانند شاہنشاہ اسلامش[1]

ایک اور قصیدہ میں لکھا ہے۔

جبرئیل از طاق گردوں البشر گویاں رسید	کز خلیفہ سوئے سلطاں خلعت و فرماں رسید
ملک را بازو قوی شد، دین سرافرازی نمود	شرع را حرمت فزوں شد، رونق ایماں رسید

[1] قصائد بدر چاچ ص ۱۴ - بدر چاچ کے کئی اور قصیدے اس سلسلہ میں مطالعہ کے قابل ہیں۔ لکھا ہے کہ مخالفین اس مشورہ سے بدحواس ہو گئے تھے ؎

حسود ملک را دیدم ز روئے غم پس افتادہ	پریشاں حال و شوریدہ چو گیسوئے دلآرامش

Marfat.com

دردِ اسلامی کہ در سرداشت شاہنشاہِ عصر از دلِ المسلمیں ایں درد را درماں رسید[1]

مصنف سیرت فیروز شاہی کا بیان ہے کہ اس کے بعد

"ہمچنیں متواتر ہر سال مناشیر دار الخلافۃ اسی طرح ہر سال دار الخلافہ سے منشور
می رسید"[2] آتے تھے۔

محمد بن تغلق کا یہ عالم تھا کہ خلیفہ کا نام سن کر ایک نئی جان اس میں پیدا ہو جاتی تھی[3] اور بقول برنی راستہ میں چوروں اور ڈاکوؤں کا ڈر نہ ہوتا تو سلطان نے سارا خزانہ مصر بھیج دیا ہوتا[4]

خاندان عباسی سے سلطان کی عقیدت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے جو ابن بطوطہ نے بیان کیا ہے۔ خلیفہ مستنصر باللہ کے سلسلہ کا ایک عباسی خلیفہ زادہ جس کا نام غیاث الدین تھا، کسی سبب سے ترکستان چلا آیا اور وہاں حضرت قثم بن عباسؓ کے مزار پر سالہا سال تک مجاور رہا۔ جب سلطان کی خاندانِ عباسیہ سے عقیدت کا آوازہ پھیلا تو غیاث الدین نے ترکستان سے اپنے دو سفیر سلطان کے پاس بھیجے۔ بغداد کے جو لوگ ہندوستان میں مقیم تھے انہوں نے خلیفہ زادہ کی صحیح النسبی کی شہادت دی۔ سلطان نے بڑی منت سے خلیفہ زادہ کو ہندوستان بلایا۔ جب وہ ہندوستان کی سرحد میں داخل ہوا تو امراء کو استقبال کے لیے بھیجا۔ جب سرستی تک سواری پہنچی تو قاضی القضاۃ صدر جہاں کمال الدین غزنوی اور دوسرے علماء استقبال کے لیے روانہ ہوئے۔ جب دہلی سے باہر مسعود آباد میں پہنچا تو سلطان نے خود پیادہ پا ہو کر اس کی رکاب تھامی۔ بڑے تزک و احتشام سے خلیفہ زادہ کی سواری دہلی میں داخل ہوئی۔ سلطان نے مخدوم زادہ خطاب دیا اور شاہی مہمان رکھا۔ جب کبھی غیاث الدین دربار میں آتا تو سلطان تعظیم کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا۔ ایک مرتبہ سلطان کی کوئی بات غیاث الدین کو ناگوار ہوئی تو سلطان نے

---

[1] قصائد بدر چاچ ص ۱۵۔ [2] سیرت فیروز شاہی ورق ۱۴۰
[3] تاریخ فیروز شاہی ص ۴۹۶ [4] ایضاً ص ۴۹۳

اس انداز سے معافی مانگی: "مخدوم زادہ! مجھے اپنی برأت کا اس وقت تک یقین نہ آئیگا جب تک یہ پائے مبارک میری گردن پر نہ ہو" خلیفہ زادہ نے کہا: "مجھ سے تو یہ نہیں ہوسکتا" تو سلطان نے خود اپنا سر زمین میں ڈال کر اس کا قدم اپنی گردن پر رکھا۔ ابن بطوطہ کا خیال ہے کہ یہ ایسا عجیب و غریب واقعہ ہے جو کسی بادشاہ کے متعلق سننے میں نہیں آیا۔[1]

مقامات مقدسہ سے عقیدت

محمد بن تغلق نے بیرون ہند کے بعض اہم مذہبی مرکزوں سے بھی عقیدت کا اظہار کیا اور وہاں کے مذہبی طبقوں سے تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی۔ مسالک الابصار میں لکھا ہے کہ اس نے بغدن کے ہاتھ ایک کرور تنکے عراق کے مقامات مقدسہ میں تقسیم کرنے کے لیے بھیجے تھے۔[2]

بہبودیٔ خلق اور رفاہ عام کے کام

محمد بن تغلق نے رفاہ عام کے لیے جو کام کیے اُن کی تفصیل کا تو یہاں موقع نہیں لیکن ان کوششوں کا ذکر ضروری ہے جو اس نے قحط کے زمانہ میں اور اس کے بعد لوگوں کی وقتی امداد اور زراعتی حالت کو مستقل ٹھیک کرنے کے لیے کی تھیں۔ دہلی میں چھ مہینے تک "کل باشندوں کو بلا تمیز چھوٹے بڑے یا غلام و آزاد کے"[3] اشیاء خوردنی تقسیم کی گئیں۔ فقیہ اور قاضی محلے محلے جاکر حاجتمندوں کی فہرستیں تیار کرتے تھے[4] علاوہ ازیں خانقاہوں کے ذریعہ کھانا تقسیم کیا جاتا تھا۔ زراعت کو ترقی دینے کے لیے تقریباً ستر لاکھ تنکے سوندھار (تقاوی) کے طور پر تقسیم کیے گئے تھے تیس کروہ رقبہ کی اس طرح کاشت کا انتظام کیا گیا تھا کہ ایک بالشت زمین بھی "بے زراعت" نہ رہے۔ برنی نے لکھا ہے:

وسلطان دراز دیاد زراعت اسلوبہا	اور سلطان زراعت کی ترقی کے لیے "اسلوب ایجاد
اختراع میکرد، ہرچہ دراز دیاد زراعت	کرتا تھا۔ جو کچھ زراعت کی ترقی کے سلسلہ میں

[1] عجائب الاسفار، ص ۱۲۰-۱۲۱، محمد بن تغلق نے خلیفہ سے جس عقیدت کا اظہار کیا اور اس کے نمائندوں کو جس طرح خوش آمدید کہا اس کی تفصیل درکار ہو تو تاریخ فیروز شاہی (ص ۴۹۱-۴۹۶) قصائد بدر چاچ (ص ۱۴، ۱۶، ۲۰) اور سیرت فیروز شاہی (ورق ۱۴۰-۱۴۱) کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

[2] مسالک الابصار، ص ۳۳-۳۴۔ [3] [4] عجائب الاسفار۔ ص ۱۳۳۔

Marfat.com

در تصور سلطان میگذشته و در قلم می آمد آں را	سلطان کے ذہن میں آتا تھا اور لکھ لیا جاتا تھا،
"اسلوب" نام می شد کہ اگر آں اسالیب	اس کو اسلوب کہتے تھے۔ اگر ان اسلوب متصورہ
متصورہ واقع شدی و خلق را از محالات	پر عمل ہو جاتا اور لوگوں کو وہ ناممکنات میں
لایمکن نمودی از ازدیاد زراعت و	نہ معلوم ہوتے تو زراعت کو بے حد ترقی ہوتی
حیثیت زراعت جہاں پر از نعمتہائے	اور زراعت کی ایسی حالت ہو جاتی کہ دنیا
گوناگوں گشتے" [1]	نعمتہائے گوناگوں سے بھر جاتی۔

سلطان نے دہلی میں بھیک مانگنے پر پابندی لگا دی تھی۔ فقیروں کو حکومت کی طرف سے مدد دی جاتی تھی۔ اس طرح حکومت تقریباً چالیس ہزار غربا کی مدد کرتی تھی[2]۔ دہلی میں ستر شفاخانے مریضوں کی دیکھ بھال کے لیے قائم تھے[3]۔

سلطان کا انتقال تتہ کے قیام کے زمانہ میں سلطان کو بخار آیا۔ بیماری کی حالت میں اُس نے یوم عاشورہ کا روزہ رکھا اور افطار میں مچھلی کھائی جس سے مرض میں اضافہ ہو گیا۔ گیارہ دن کی علالت کے بعد ۲۱ محرم ۷۵۲ھ (مطابق ۲۰۔ مارچ ۱۳۵۱ء) کو دار السلطنت سے سیکڑوں کردہ دور داعی اجل کو لبیک کہا[4]۔ حالت نزع میں یہ اشعار موزوں کیے تھے ؎

بسیار دریں جہاں چمیدیم — بسیار نعم و ناز دیدیم
اسپانِ بلند بر نشستیم — ترکانِ گرانبہا خریدیم
کردیم بسے نشاط آخر — چوں قامتِ ماہ نو خمیدیم [5]

مذہبی حلقوں میں چونکہ اس کے خلاف شدید برگشتگی اور بیزاری تھی، اس لیے اس کی موت کے

---

[1] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۳۹۸۔ اس نے فصلوں کی تبدیلی (Rotation of crops) کا طریقہ رائج کیا تھا۔ "ہر چہ زراعت شود آں را تبدیل کنند چنانچہ خطہ بجائے جگاکندہ بجائے خطہ نیشکر کارند..." اور اک دیوان امیر کوہی کے نام سے قائم کیا تھا جو زراعت کی ترقی کے لیے کوشش کرتا تھا۔

[2] مسالک الابصار۔ ص ۳۹۔ [3] ایضاً مسالک الابصار۔ ص ۲۴

[4] تاریخ فیروز شاہی ص ۵۲۵ [5] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۴۴

Marfat.com

متعلق طرح طرح کے بے سر و پا افسانے مشہور ہو گئے[1]۔ جو شخص اس کی موت پر خون کے آنسو رویا وہ اس کا ندیم ضیاء الدین برنی تھا جس نے سترہ سال تک اس کے قریب رہتے ہوئے بھی اس سے نفرت کی تھی۔ اس کے لکھے ہوئے مرثیے کے ایک ایک شعر سے سوزِ دل کی بو آتی ہے ؎

مایۂ زہر است شربِ عالم را — میوۂ مرگست تخمِ آدم را
اے حریفِ عدم قدم در نہ — کم زن ایں عالمِ کم از کم را
صبح محشر دمید ما در خواب — بانگ زن خفتگانِ عالم را
ہاں کہ فرشِ فنا بگسترند — دنورایں بساطِ خرم را
رستخیز است خیز باز شتاب — سقفِ ایوانِ طاقِ طارم را
شہ محمد بخفت در دلِ خاک — نیلگوں کن لباسِ ماتم را
پس بدست نردش بر تنِ دہر — خاک زن ایں قبائے معلم را[2]

سلطان کو سندھ سے دہلی لاکر دفن کیا گیا[3]۔ فیروز شاہ نے تخت نشینی کے بعد تمام ان لوگوں کے دربار سے جن کو سلطان نے سزائیں دی تھیں، روپیہ اور جاگیریں دے کر معافی نامے لکھوائے

---

[1] جوامع الکلم ص ۱۷۶، سبع سنابل ص ۶۴-۶۷

[2] تاریخ فیروز شاہی ص ۵۲۵-۵۲۶۔ برنی نے سلطان محمد کی وفات پر جو کچھ لکھا ہے اس میں شدید ذاتی نقصان کا احساس بھی شامل ہے حقیقت میں محمد بن تغلق کے ساتھ اس کی خوشی اور فارغ البالی کا دور بھی ختم ہو گیا تھا

[3] پروفیسر محمد شفیع نے سہوان کے دو کتبوں کی بنا پر (جو آگے فیروز شاہ کے تعمیر مزارات کے سلسلہ میں نظر سے گزریں گے) یہ رائے ظاہر کی ہے کہ محمد بن تغلق "سہوان میں مدفون ہے نہ کہ دہلی میں" (اورینٹیل کالج میگزین فروری ۱۹۳۵ء ص ۱۵۰) ڈاکٹر داؤد پوتا نے ان کی رائے سے اتفاق کیا ہے (تاریخ مصوری ص ۲۸۱) بلوچ نبی بخش نے اس خیال کی تردید کی ہے اور فتوحات فیروز شاہی کے بیان کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ محمد بن تغلق دہلی میں دفن کیا گیا تھا۔ سہوان میں اس کی نعش کچھ دنوں کے لیے امانتاً رکھ دی گئی تھی (اسلامک کلچر جنوری ۱۹۳۶ء ص ۱-۴)، ہمارا خیال بھی یہی ہے کہ محمد بن تغلق کو دہلی میں دفن کیا گیا تھا۔ اس خیال کی تائید صاحب سیر الاولیاء اور تاریخ مبارک شاہی کے بیانات سے بھی ہوتی ہے۔

Marfat.com

اوران سب کوایک صندوق میں بند کرکے اس کی قبر کے سرہانے رکھدیا[1]۔ خود فتوحات میں لکھتا ہے:

"ازحضرتِ ذوالجلال وقادر پرکمال ایں بندۂ عاصی توفیق یافت کہ اشخاصیکہ درعہد خدایگاں مغفور ومرحوم محمد شاہ السلطان طاب ثراہ کہ خداوندگار و مخدوم ومربی من بود بہ تقدیر اللہ تعالےٰ کشتہ شدہ بودند، وکسانے کہ اعضائے ایشاں از چشم وبینی ودست وپا ناقص گشتہ، ورثہ ایشاں از قبل بادشاہ مرحوم مغفور راستر ضا نمودہ وہریکے را بہ اموال راضی نمودہ، خطوط خوشنودی موکد بہ شہود مستند، درصندوق کردہ بہ دارالامان مقبرۂ سلطان مغفور مرحوم نوراللہ مرقدہٗ جانب سر داشتہ تا حق تعالیٰ بہ کرم عمیم خویش آں مخدوم و مربی مارا غریق رحمت گرداناد"[2]

اس گناہگار بندہ نے اللہ تعالیٰ سے یہ توفیق پائی کہ سلطان محمد مرحوم ومغفور کے عہد میں جو میرے آقا، مخدوم اور مربی تھے، بہ تقدیر اللہ تعالیٰ جو لوگ قتل ہوئے تھے یا جن کے اعضاء مثلاً آنکھ ناک، ہاتھ پاؤں کاٹ دیے گئے تھے، میں نے ان کے وارثوں سے بادشاہ مرحوم ومغفور کے حق میں (فرد) خوشنودی حاصل کی اور ہر ایک کو مال دے کر راضی کیا اور ان سے خوشنودی کے ایسے خطوط حاصل کیے جن پر معتبر گواہوں کی تصدیق تھی۔ ان کو ایک صندوق میں کرکے دارالامان میں جہاں سلطان مرحوم کا مقبرہ ہے، سر کی جانب رکھ دیا۔ تاکہ حق تعالےٰ اپنے عام کرم سے میرے ان مخدوم ومربی کو غریق رحمت کرے۔

---

[1] بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس صندوق کو قبر کے سرہانے دفن کردیا گیا تھا۔ اسی خیال کے زیر اثر آثار قدیمہ کے ایک مشہور مسلمان افسر نے ان کاغذات کی تلاش میں قبر کے سرہانے کا کافی حصہ کھدوایا بھی تھا۔ فتوحات میں "جانب سر داشتہ" الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جن سے دفن کرنے کا مفہوم اخذ نہیں کیا جاسکتا۔ سیرت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطوط باہر رکھے ہوئے تھے۔ لکھا ہے: "آں خطوط را در صندوق کردہ طرف سر قبر سلطان مغفور... داشتند، ایں معنی ہر را مشاہدہ معلوم وایں خطوط آنجا موجود دلیل ظاہر است بر صحت ایں حال وصدق ایں مقال" (ورق ۷۷)

[2] فتوحات فیروز شاہی ص ۱۶۱ نیز ملاحظہ ہو سیرت فیروز شاہی ورق ۷۶-۷۷۔

"نامرادانہ زیست" کی اس سے بڑی اور کیا مثال ہوگی کہ جب تخت پر بیٹھا تو "پدر کش" کہلایا، جب تک جیا "ظالم" اور "بے دین" ہونے کے طعنے سُنے، مرا تو قبر پر معافی نامے رکھ کر اس کی تشہیر کی گئی! تاریخِ ہند میں اس کی جگہ متعین کرتے وقت نظر اس ناکامی پر نہیں بلکہ اس جذبہ پر ہونی چاہیے جو اس ناکامی کا سبب بنا تھا!

باب یازدہم

سُلطان فیروز شاہ تغلق

ہندی قرونِ وسطیٰ کے جس سلطان نے اپنی مذہبیت کا سب سے زیادہ گہرا نقش معاصرین کے ذہن پر چھوڑا وہ فیروز شاہ تھا۔ علماء و مشائخ، عوام و خواص سب ہی اس کے مذہبی جذبات اور دینداری کے قائل تھے۔ شیخ قطب الدین منورؒ تو یہ کہا کرتے تھے کہ:

"سلطان فیروز شیخے است از مشائخ طریقت کہ تاجِ بادشاہی بر سر دارد"[1]

سلطان فیروز تو مشائخ طریقت میں سے ایسا شیخ ہے جو سر پر تاج بادشاہی رکھتا ہے۔

عفیف نے اس کو نہ صرف "اولیائے حضرت الٰہ"[2] میں شمار کیا ہے بلکہ اس کو "خصال انبیا"[3] کا حامل بتایا ہے اور اس کے ہر کام کو "بالہام الٰہ"[4] قرار دیا ہے۔ مظہر نے اس کو "نائب رسول"، "مہدی عصر"، "عیسیٰ مختار" وغیرہ القاب سے یاد کیا ہے[5]۔ برنی نے سلاطین دہلی میں اس کو سب سے اونچا مرتبہ دیا ہے اور لکھا ہے کہ دہلی کی فتح کے بعد نہ فیروز شاہ سے زیادہ پاکیزہ اعتقاد کا کوئی بادشاہ ہندوستان کے تخت پر بیٹھا[6] نہ کسی نے "ایتمار احکام شرع" کے لیے اس کے برابر جد و جہد کی[7]۔ حد یہ ہے کہ برنی اس کے ایک امیر کی تعریف کرتے ہوئے

---

[1] تاریخ فیروز شاہی، عفیف ص ۲۲-۲۳، لیکن جب اس تنقید کی طرف توجہ کرتے ہیں جو شیخ نے سلطان کی شکار اور شراب میں دلچسپی کے سلسلہ میں کی تھی تو خیال آتا ہے کہ شاید یہ الفاظ غلط طور پر شیخ سے منسوب کیے گئے ہیں۔ عفیف ص ۹،۔ [2] تاریخ فیروز شاہی ص ۹۵۔ [3] ایضاً ص ۲،،

[4] تاریخ فیروز شاہی ص ۲۳، ۲۵، ۲۴، ۲۴ وغیرہ

[5] وآں نائب رسول کہ در ہر فضیلتے ۔۔۔ او را فضلے نادرۂ روزگار کرد
مہدی عہد توی عیسیٰ مختار توی ۔۔۔ حاتم جود توئی حیدر کرار توی
دیوان مظہر (دہلی کالج میگزین مئی ۱۹۳۵ء ص ۱۳)

[6] تاریخ فیروز شاہی ص ۵۳۸، ۵۵۲، ۵۶۱۔

سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات

کہنے لگتا ہے ؎

ادہم برکار جبرئیل است　　درپیش خدایگاں کیہاں[1]

اس بلند آہنگی سے تعریف کرنے کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ فیروز کی شخصیت کے گرد افسانوں کا ایک جال بن دیا گیا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس کے متعلق "ظہور کرامات" اور "خرق عادات" کی داستانیں تاریخوں تک میں راہ پا گئیں[2]۔ فیروز کی مذہب میں دلچسپی اپنی جگہ پر مسلم ہے لیکن معاصرین و متاخرین نے جس والہانہ انداز میں اس کے مذہبی افکار کی مدح و ستایش کی ہے، اس سے نہ فیروز شاہ کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے نہ اس کے عہد کو۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ مبالغہ آمیز بیانات ہمارے تاریخی زاویۂ نگاہ میں ایک دھندلاپن سا پیدا کر دیتے ہیں اور ہمارا ذہن تجزیہ کے قابل نہیں رہتا۔ مذہبی افکار کی تاریخ میں فیروز شاہ کا صحیح مقام متعین کرنے کے لیے ان تمام بیانات سے قطع نظر کرنا ضروری ہے تاکہ ماحول کی روشنی میں اس کی اعتقادی زندگی کے بنیادی پہلوؤں اور نظامِ حکومت پر اُن کے اثرات کا صحیح جائزہ لیا جا سکے۔ اس سلسلہ میں چند حقائق ذہن میں رکھنے چاہئیں۔

(۱) برنی نے اپنی کتاب فتاوائے جہانداری، فیروز شاہ کے عہد میں مرتب کی۔ فکری اعتبار سے اس کتاب کا ماحصل یہ ہے کہ نظام حکومت شریعت کے مطابق نہیں چلایا جا سکتا اور بادشاہوں کو مجبوراً بعض ایسے ضوابط بنانے پڑتے ہیں جو شریعت کی رو سے جائز قرار نہیں دیے جا سکتے، لیکن جہانداری اُن کے بغیر ممکن نہیں ـــــ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فیروز شاہ کے عہد میں (جس کے متعلق عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ نظام حکومت شریعت کے مطابق تھا) کیوں برنی کی فکر ان وادیوں میں گشت کر رہی تھی؟ اگر واقعی شرعی نظام حکومت موجود تھا تو پھر برنی کے ذہن میں کس چیز نے یہ ہیجان پیدا کیا تھا کہ تمام اُس تعریف کے باوجود جو برنی نے تاریخ فیروز شاہی

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۸، ۵۔　[2] سیرت فیروز شاہی ورق ۱۴۰، ۱۴۱۔ فرشتے فیروز شاہ کی مدد کرتے ہیں، دریائے کوسی اس کو راہ دے دیتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ

میں فیروز کی کی ہے۔ وہ اس بات کو اپنے دل کی گہرائیوں میں محسوس کر رہا تھا کہ فیروز شاہ کا نظام حکومت بھی شریعت کے مطابق نہیں ہے!!

(۲) عہد فیروزی کے متعلق عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس وقت سماج کا ہر طبقہ آسودہ اور خوش حال تھا لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اس دور کا لٹریچر افسردگی اور قنوطیت میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے۔ جس طبقہ کو لیجیے، خواہ وہ علماء کا ہو یا مشائخ کا، ادیبوں کا ہو یا شاعروں کا، حال سے غیر مطمئن اور مستقبل سے ناامید ملیگا۔ شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے ملفوظات کے صفحے کے صفحے الٹ جائیے۔ دل برداشتگی، ناامیدی اور گہرے غم کی عجیب کیفیت نظر آئیگی۔ عہد علائی کا ذکر کرتے ہوئے شیخ کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں کس قدر ارزانی تھی، کتنے لنگر شہر میں چلتے رہتے تھے[1] لیکن عہد فیروزی میں ــــ

این زماں نہ آں لنگرداراں ونہ آں بندگاں ماندہ اند، ہمہ خراب شدند[2]

اس زمانہ میں نہ وہ لنگردار ہیں نہ وہ لوگ باقی رہے ہیں۔ سب خراب ہو گئے۔

ایک شخص شیخ نصیر الدین چراغؒ سے تنگی روزگار کی شکایت کرتا ہے اور شیخ نظام الدین اولیاءؒ کا ایک واقعہ بیان کرتا ہے کہ اُن کی مدد سے ایک شخص کو ملازمت مل گئی تھی۔ شیخ جواب میں فرماتے ہیں:

مولانا! دراں وقت معتقداں بسیار بودند

مولانا! اس وقت معتقدین بہت تھے۔

این زماں بہ کہ تواں گفت، صبر می باید کرد[3]

اس زمانہ میں کس سے بات کہی جائے بس صبر

پھر حضرت عمرؓ کے زمانہ کے ایک حاکم کی رعایا کی بہبودی کے لیے جد و جہد کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ــــ

"پادشاہاں پیشیں را ہر کوشش کہ بود در پروردن رعیت بود"[4]

پچھلے بادشاہوں کی جو کوشش تھی وہ رعایا کی پرورش کے لیے تھی۔

عہد فیروزی کا ایک شاعر قاآبد کہتا ہے ؎

---

[1] خیر المجالس ص ۱۸۵ [2] ایضاً ص ۲۳۰ [3] ایضاً ص ۱۳۹

Marfat.com

دوستاں گویند عابد باچنیں طبعِ لطیف — چیست کاشعار وغزل! زتو فراواں برنخاست
ماکرا شعر وغزل گوئیم چوں در عہدِ ما — شاہد موزوں وممدوحے زرافشاں نماند

عہدِ فیروزی میں یہ مایوسی آخر کن حالات نے پیدا کردی تھی؟

(۳) پچھلے صفحات میں ہم بتا آئے ہیں کہ محمد بن تغلق کے عہد میں خانقہی نظام ڈھیلا پڑ گیا تھا نظام کی اس کمزوری کا ایک بڑا اثر یہ ہوا کہ تصوف کے وہ افکار جو خواص تک محدود رہتے تھے عوام تک پہنچ گئے۔ نخشبی نے کہا تھا:

"رموزِ عشق را بیان کردن حرام است" [1]

لیکن جب وہ نظام ہی ابتر ہوگیا تو پھر ان "رموزِ عشق" کو دل میں چھپا کر کون بیٹھ سکتا تھا! اس زمانہ میں ایک طرف تو شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کی تصانیف ہندوستان کے مشائخ اور صوفیہ کے مطالعہ کا مرکز بن گئیں اور مظہر کی طرح ہر شخص کا حال یہ ہوگیا کہ

کتابے زہر فن بنزدیک من — نہادہ چو گنجینۂ گوہری
زعرفاں عوارف زوجداں فصوص — زوعظ ونصائح کتاب سری [2]

دوسری طرف شیخ علی ہمدانیؒ [3]، ابوالمحاسن شرف الدین دہلویؒ [4]، سید محمد گیسو درازؒ وغیرہ نے فصوص الحکم کی شرحیں لکھ کر اس کے خیالات کو عام کردیا۔ تیسری طرف اس عہد کے بعض اہل قلم نے جن میں مسعود بک [5] اور شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ [6] خاص طور پر قابل ذکر ہیں، وحدت الوجود کے

---

[1] سلک السلوک ص ۴۶۔ [2] دیوان مظہر (اورنٹیل کالج میگزین اگست ۱۹۳۵ء ص ۱۹۹) ہندوستان میں شیخ اکبر کے اثرات پر ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون "شیخ اکبر اور ہندوستان" مطبوعہ برہان جنوری ۱۹۵۸ء

[3] کشمیر کے مشہور و معروف بزرگوں میں تھے۔ ایران سے کشمیر آگئے تھے اور وہیں ۱۳۸۴ء میں وصال فرمایا۔ کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ شرح فصوص الحکم کے علاوہ اُن کی ایک اہم تصنیف ذخیرۃ الملوک ہے جس میں اخلاق وسیاست کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کی ہے۔ باب پنجم اور ششم میں سلطنت اور خلافت سے متعلق دلچسپ گفتگو ہے۔ اخوند درویزہ نے اپنی کتاب مخزن الاسلام میں اس سے کافی مدد لی ہے۔

[4] ۱۳۹۲ء میں انتقال ہوا۔ ان کی عین الفصوص شرح الفصوص کا نسخہ آصفیہ کتب خانہ حیدرآباد میں ہے (جلد نمبر ۳۷۶)

[5] شیخ رکن الدین بن شہاب الدین امام کے مرید اور فیروز شاہ کے رشتہ دار تھے۔ ایک دیوان اور ایک کتاب مرآۃ العارفین یادگار چھوڑی ہے۔ گفتگو کا عنوان وحدت الوجود ہے۔ شیخ عبدالحق لکھتے ہیں: "در سلسلۂ چشتیہ ہیچ کس (باقی بر صفحہ ۳۸۹)

Marfat.com

خیالات کو اپنے اشعار اور تصانیف میں عوام تک پہنچانا شروع کر دیا۔ ان حالات میں ناممکن تھا کہ انا الحق کی صدائیں بلند نہ ہو جاتیں۔ فیروز شاہ کے افکار میں ان عصری میلانات کا عمل اور ردعمل نظرانداز نہیں کیا جا سکتا!

(۴) فیروز شاہ کے عہد میں فقہی علوم سے گہری دلچسپی کا اظہار کیا گیا تھا۔ محلات شاہی سے لے کر مدرسوں تک فقہ کی گرم بازاری تھی۔ متقدمین کی تصانیف پر حاشیے لکھے جا رہے تھے اور فتاویٰ کی نئی کتابوں کی تدوین کا کام زور شور سے جاری تھا۔[1] درباری زندگی سے متعلق علما نے "فتاوائے جہانداری" کی طرف توجہ کی تھی تو صوفیہ نے "فتاوائے صوفیہ"[2] کی طرف۔ فقہ اور تصوف کے درمیان جس کشمکش کا پہلا اظہار غیاث الدین تغلق کے عہد میں ہوا تھا وہ فقہ کی کامیابی کی صورت میں اب ختم ہوتا نظر آ رہا تھا۔ گو فیروز شاہ نے تصوف اور فقہ دونوں کا اثر قبول کیا تھا لیکن وحدت الوجودی تحریکوں کو روکنے کے لیے اس کو فقہا کی طرف زیادہ جھکنا پڑا۔ فیروز کی مذہبی فکر میں تصوف اور فقہ کے اثرات کو علیحدہ علیحدہ دیکھنا ضروری ہے!

(۵) فیروز کے بہت سے انکار و اعمال صرف محمد بن تغلق کی پالیسی کے ردعمل کے پس منظر میں مطالعہ کیے جا سکتے ہیں۔ اپنے پورے دور حکومت میں اس کی یہ کوشش رہی کہ تمام ان طبقوں کی جنہیں محمد بن تغلق نے ناراض کر دیا تھا، ہمدردیاں حاصل کی جائیں اور انہیں حکومت کی پالیسی میں مکمل تبدیلی کا یقین دلایا جائے۔ ممکن ہے کہ محمد بن تغلق کی قبر میں معافی نامے رکھنے کا جذبہ بالکل مذہبی ہو، لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس

(بقیہ صفحہ ۳۸۸) ایں چنیں اسرار حقیقت فاش نگفتہ دستی نکردہ کہ او کردہ" (اخبار الاخیار ص ۱۶۹)

[1] شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے مکتوبات میں وحدت الوجود کے مسائل نہایت عالمانہ اور پرتاثیر انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ اپنے بعض مکتوبات کا عام ہونا پسند نہیں کرتے تھے۔ اخبار الاخیار ص ۱۱۰۔

[2] شیخ فضل اللہ بن محمد بن ایوب المعروف بہ ماجو کی تصنیف ہے۔ وہ سہروردی سلسلے کے بزرگ تھے۔ اس کتاب میں فقہاء کے عام مسلک سے ہٹ کر اظہار رائے کیا گیا تھا۔ اسی بنا پر ابن کمال نے اس پر شدید تنقید کی ہے۔

(باقی صفحہ ۳۸۸ ملاحظہ ہو)

فٹ نوٹ صفحہ ہذا ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون "علوم فقہ آٹھویں صدی ہجری کے ہندوستان میں" مطبوعہ رسالہ "دارالعلوم" اگست ۱۹۵۳ء

Marfat.com

طرح اس نے لوگوں پر یہ بات واضح کردی کہ نئی حکومت محمد بن تغلق کی سزاؤں کو کس نظر سے دیکھتی ہے۔ ان معافی ناموں کو حاصل کرنا محمد بن تغلق کی پالیسی کی شدید ترین مذمت کے مترادف تھا۔ علاوہ ازیں لاکھوں روپیہ جو سوندھار (تقاوی) کے طور پر محمد بن تغلق نے تقسیم کیا تھا، ڈرامائی انداز سے معاف کردیا گیا۔ گذشتہ عہد میں غیر ملکی اور ملکی امرار اور علمار میں کافی کشیدگی رہی تھی۔ محمد بن تغلق غیر ملکی علمار اور امرار کی بہت عزت کرتا تھا۔ اسی وجہ سے وہ اپنے ملک میں بدنام اور غیر ممالک میں مشہور ہوگیا تھا۔ فیروز نے اس پالیسی کو تبدیل کیا اور سندھ کے قیام کے دوران میں ہی یہ بات پورے طور پر واضح کردی۔ سیستان میں ہریو، سیستان، مصر، عدن وغیرہ مقامات سے لوگ آئے ہوئے تھے اور ملک میں داخل ہونے کی اجازت کے منتظر تھے۔ فیروز شاہ نے اُن کو رد کر دیے کہ "بجانب اوطان قدیم بازگردانید"[1] کاشتکار ہوں یا تاجر، امرار ہوں یا اجارہ دار، صوفیہ ہوں یا علمار، اس نے سماج کے ہر طبقہ کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ محمد بن تغلق کی پالیسی غلط تھی اور نیا سلطان اس میں مکمل تبدیلی کا ارادہ رکھتا ہے!

(۶) چودھویں صدی میں مسلمانوں کے معاشرہ پر ایک انحطاطی رنگ چھا گیا تھا۔ اخلاقی قدروں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تھی۔ مذہب میں توہمات نے راہ پالی تھی۔ قبر پرستی اور پیر پرستی نے تصوف کی بنیادوں کو منہدم کردیا تھا۔ اباحتی فرقے اپنے افکار و نظریات کے پھیلانے میں سرگرم تھے۔ بدعات و احداث کا ہر طرف ہنگامہ تھا۔ یہی حال ہندو سوسائٹی کا بھی تھا اس عہد کے بعض منادر بقول ڈاکٹر ایشور تو پا، شیطانیت کے مرکز تھے، اور مذہب سے اُن کا کوئی تعلق نہ رہا تھا[2] — ان عام سماجی اور مذہبی حالات نے فیروز شاہ کی مذہبی فکر کو بید متاثر کیا۔ مسلمانوں کے بعض فرقوں کے ساتھ اس کا برتاؤ اور ہندوؤں کے چند منادر کا انہدام اسی ماحول کی روشنی میں دیکھنا چاہیے۔

---

[1] تاریخ فیروز شاہی، برنی ص ۵۳۸۔

[2] Politics in Pre Mughal Times p. 296 و 297

Marfat.com

ابتدائی زندگی فیروز کے بچپن ہی میں اُس کے باپ رجب کا انتقال ہو گیا تھا۔ چنانچہ غازی ملک نے اس کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لی۔ ملتان اور دیپالپور قیام کے زمانہ میں غازی ملک اکثر صوفیہ اور مشایخ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا، فیروز کو بھی اپنے ساتھ لے جایا کرتا۔[1] جب غیاث الدین تغلق (غازی ملک) کا انتقال ہوا تو اس کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ محمد بن تغلق نے نائب امیر حاجب مقرر کر دیا۔ اس حیثیت میں اُسے اُن علماء و مشایخ سے ملاقات کا اکثر موقع ملا جو دربار میں خود آتے یا طلب کیے جاتے تھے۔[2]

تخت نشینی جس وقت محمد بن تغلق کا تتہ میں انتقال ہوا، ملک کے عام حالات بے حد نازک تھے۔ شاہی لشکر دارالسلطنت سے دور تھا اور ملک کے مختلف حصوں میں بدامنی کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ ایسی صورت میں تخت کو زیادہ عرصہ تک خالی نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ چنانچہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ نے، جو اس وقت تتہ میں موجود تھے، فیروز کو ایک پیغام بھیجا کہ

"بایں خلق عدل و انصاف خواہی کرد — اس خلق کے ساتھ تم عدل و انصاف کا برتاؤ
دیا برائے ایں مشتے مسکیناں والیٔ دیگر — کرو گے یا اس مشتِ مسکینان کے واسطے کسی
از اللہ تبارک و تعالیٰ التماس کردہ آید"[3] — دوسرے والی کی اللہ تبارک و تعالیٰ سے گزارش کریں

فیروز نے اچھے سلوک کا وعدہ کیا تو شیخ نے اُسے دعائے خیر دی۔[4] عفیف نے ایک روایت یہ بھی بیان کی ہے کہ فیروز تخت نشین ہونے کے لیے آمادہ نہ تھا اور کعبہ جانے کا ارادہ کر رہا تھا۔[5] مخدوم زادہ عباسی، شیخ الشیوخ مصری، شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ وغیرہ نے نہ صرف یہ ذمہ داری قبول کرنے پر اصرار کیا بلکہ زبردستی تخت پر بٹھا دیا۔[6]

تخت پر قدم رکھنے سے پہلے فیروز نے وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی اور سجدہ میں سر

---

[1] تاریخ فیروز شاہی، عفیف ص ۲۷-۲۸ [2] سیر الاولیاء ص ۲۵۴۔
[3] تاریخ فیروز شاہی، عفیف ص ۲۹۔ لکھا ہے کہ شیخ نے اُسے اُفتالیس کھجوریں بھیجی تھیں جس سے اس کی مدت حکومت کا اظہار مقصود تھا۔ [4] تاریخ فیروز شاہی ص ۴۷۔
[5] تاریخ فیروز شاہی، برنی ص ۵۳۵-۵۳۶۔

ڈال کر بارگاہ ایزدی میں دعا مانگی[1] مظہر نے لکھا ہے ؎

اوّل کہ پائے بر سرِ تختِ گیاں نہاد　　شکر و سپاس حضرت پروردگار کرد[2]

سندھ سے دہلی کا سفر | تتہ میں تخت نشینی کے بعد فیروز شاہ لشکر شاہی کے ساتھ دہلی روانہ ہوا۔ اس سفر سے اس نے پورا فائدہ اُٹھایا اور اُن تمام خانوادوں اور خانقاہوں سے روابط قائم کر لیے جن کے گزشتہ دور میں حکومت سے تعلقات بگڑ گئے تھے۔ سیوستان میں چند دن قیام کیا۔ وہاں کے مشائخ کے مزارات پر گیا اور "فقرا و مساکین" کو صدقات دیے[3]۔ پھر بھکر آیا۔ اور یہاں بھی فقرا و مساکین کو ادرارات اور انعامات پیش کیے اور مزارات مشائخ پر حاضری دی[4]۔ یہاں سے اچھ پہنچا۔ وہاں شیخ جمال الدینؒ کی خانقاہ کو "کہ حکم اندراس گرفتہ بود" از سرِ نو زندہ کرنے کی کوشش کی اور اُن کے بیٹوں کو گاؤں اور باغات پیش کیے[5]۔ اسی زمانہ میں خواجہ جہاں کے متعلق اطلاع ملی کہ اس نے ایک لڑکے کو محمد بن تغلق کا بیٹا مشہور کر کے دہلی کے تخت پر بٹھا دیا ہے۔ سلطان فیروز نے ایک محضر ترتیب دیا جس میں شیخ نصیر الدین محمود اودھیؒ، مولانا کمال الدین اودھی، مولانا کمال الدین سامانہ، مولانا شمس الدین باخرزی اور دیگر علما و اکابر نے شرکت کی۔ سلطان نے اُن سے دریافت کیا کہ اس صورت میں "از روئے شرع مرا چہ باید کرد" شریعت کی رو سے مجھے کیا کرنا چاہیے۔

مولانا کمال الدین نے جواب دیا:

"ہر کہ در اول شروع سلطنت کردہ اولیٰ تر است"[6]

یہ متفقہ فتویٰ حاصل کر لینے کے بعد فیروز آگے بڑھا اور دیپالپور میں چند دن قیام کیا۔ پھر اجودھن کا رُخ کیا۔ یہاں بابا فرید گنج شکرؒ کے مزار پر حاضر ہوا۔ اور بقول برنی

---

[1] تاریخ فیروز شاہی عفیف۔ ص ۴۷　[2] اورنٹیل کالج میگزین۔ مئی ۱۹۲۵ء ص ۱۳۰۔

[3] تاریخ فیروز شاہی، برنی ص ۵۳۸　[4] [5] تاریخ فیروز شاہی۔ برنی ص ۵۳۸-۵۳۹

[6] طبقات اکبری جلد اول، ص ۲۲۷۔ نیز تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۱۲۱-۱۲۲

Marfat.com

"آں خانوادۂ بزرگوار کہ بکلی پریشان شدہ اُن بزرگوار کا خانوادہ جو بالکل منتشر ہو گیا تھا اُسے
بود از سرِ نو ملتئم و منتظم گردانید"[1] سے جوڑا اور منظم کیا۔

شیخ علاء الدینؒ کے پوتوں کو خلعتیں، جاگیریں، زمینیں وغیرہ دیں اور باشندگانِ اجودھن کو کثرت سے صدقات تقسیم کیے[2]۔ اس کے بعد لشکر شاہی سرستی پہنچا۔ یہاں "بقالان و صرافان" نے لاکھوں روپے سلطان کو نذر کیے اور اس رقم سے فوج کی تنخواہیں ادا کر دی گئیں[3]۔ سرستی ہی میں شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ نے سلطان سے کہا:

"از تہتہ تا ایں مقام دعاگوئے درگاہ تھتہ سے یہاں تک اس دعاگوئے درگاہ نے
از حضرت الٰہ التماس کردہ۔ بکرم حق پادشا اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے
با جمیع بُنگاہ و لشکر ہوا خواہ سلامت رسید فضل و کرم سے بادشاہ مع خزانہ، لشکر اور متعلقین
ازیں جا پیشتر حدِ ولایت خدمت شیخ خیریت سے پہنچ گئے۔ یہاں سے شیخ الاسلام
الاسلام قطب الانام شیخ قطب الدین منور شیخ قطب الدین منور کی ولایت کی حد ہے اُن
است .. بخدمت ایشاں نبشتہ می کی خدمت میں لکھ کر بھیجنا چاہیے۔
باید فرستاد"[4]

فیروز نے یہ ساری کیفیت ہانسی لکھ بھیجی۔ شیخ قطب الدین منورؒ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے اُمید ہے کہ دہلی

"بر شما خواہد آمد"[5] تمہارے پاس آئیگی

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب فیروز دہلی کے قریب پہنچا تو "خواص و عوام، علماء و مشایخ و صوفیان و قلندران و حیدریان و بازرگان و سوداگران و محتران و ساہان و صرافان و برہمنان شہر[6] جوق در جوق اس کے استقبال کے لیے آئے اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ ساری دہلی ہی

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۵۴۳ [2] ایضاً ص ۵۴۳ [3] تاریخ فیروز شاہی منیف ص ۶۱
[4] تاریخ فیروز شاہی منیف ص ۶۱-۶۲ [5] تاریخ فیروز شاہی، برنی ص ۵۴۶

اس کے خیر مقدم کے لیے نکل آئی ہے۔

دہلی جاتے ہوئے فیروز چند دن ہانسی میں بھی ٹھہرا تھا۔ اور لشکر کے ساتھ شہر کی چہار دیواری کے باہر قیام کیا تھا۔ محمد بن تغلق کی طرح اس نے شیخ قطب الدین منورؒ کو دربار میں طلب نہیں کیا، بلکہ خود اُن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جمعہ کا دن تھا۔ شیخ نماز کی نیت سے خانقاہ سے باہر نکل رہے تھے۔ شیخ جمال الدین ہانسویؒ کا جبہ پہنے ہوئے تھے اور دروازہ تک پہنچ گئے تھے کہ فیروز شاہ کی سواری پہنچی۔ شیخ نے مصافحہ کے بعد کہا کہ نماز جمعہ کی نیت سے باہر آیا ہوں۔ اب کس نیت سے واپس اندر جاؤں! مقصد یہ تھا کہ نماز جمعہ سے قبل ملاقات کے لیے نہ آنا چاہیے تھا۔ پھر دروازہ پر کھڑے کھڑے بادشاہ کو چند نصیحتیں کیں۔ فرمایا:

"بابا دعا گو شنیدہ است کہ شما را میل برائے خوردن شراب بسیار است اگر سلاطین و امامان دین در خوردن شراب مشغول شوند حاجات حاجتمندان مستمند بستہ بماند" [1]

بابا! دعا گو نے سنا ہے کہ تمہیں شراب پینے کی طرف بہت رغبت ہے۔ اگر بادشاہ اور امامان دین شراب پینے میں مشغول ہو جائیں تو ضرورتمندوں کی حاجت روائی بند ہو جائے!

فیروز نے وعدہ کیا کہ آئندہ شراب نہیں پیے گا۔ پھر شیخ نے فرمایا:

"بابا دعا گو شنیدہ است کہ شما را برائے تاختن شکار ہوس بسیار و کوشش بے شمار است۔ [2] وبال شکار جہانے

بابا! دعا گو نے سنا ہے کہ تمہیں شکار مارنے کی بیحد ہوس ہے اور اس کام میں بے حد کوشش کرتے ہو۔ اس شکار کے پیچھے ایک عالم کو پریشانی

---

[1] تاریخ فیروز شاہی، عفیف ص ۹، [2] فیروز شاہ کو شکار سے بیحد دلچسپی تھی۔ سیرت فیروز شاہی (ورق ۵۰-۵۲-۸-۱۷) اور عفیف کی تاریخ فیروز شاہی (ص ۳۱۵-۳۲۹) میں تفصیل سے اس کا ذکر ہے۔ وہ "شیر و ماہی پند و چند و دند" ہر جاندار کا شکار کرتا تھا۔ جانوروں کی پہنچان میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ شکار کے کچھ ہتھیار بھی ایجاد کیے تھے (سیرت ورق ۱۷۸) اور ایک کتاب شکار نامہ فیروز شاہی "بارشاد و امداد" مرتب کرائی تھی (سیرت ورق ۵۰)، سلطان محمد بن تغلق اس کی شکار میں حد سے (باقی بر صفحہ ۳۹۵)

را سرگردانی و علمے را حیرانی است۔ اور سرگردانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ بات
ایں نوع نیکو نیست۔ جانے را بے فائدہ ٹھیک نہیں۔ کسی جاندار کی بے فائدہ جان
بے جان کردن مستحسن نیست "[1] لینا اچھا نہیں ہے۔

فیروز شاہ نے جواب دیا کہ شیخ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے باز رکھے۔ یہ سُن کر شیخ کا مزاج برہم ہو گیا۔ بلند آواز سے فرمایا:

"سبحان اللہ! منکر دعائے ما"

پھر اسی جملہ کو دہراتے ہوئے فرمایا۔

"منکر دعائے ما ایچنین است۔ نمی گوید ہماری دعا کا منکر ایسا ہے، یہ نہیں کہتا کہ میں
کہ توبہ کردم" نے توبہ کی۔

اور مسجد کی طرف چل دیے۔ سلطان نے ایک "لبادۂ شوستری" بھیجا۔ شیخ نے اپنے بیٹے شیخ نورالدین سے پوچھا "از جنس محرمات است یا از قسم مشروعات" جب یہ معلوم ہوا کہ محرمات میں سے ہے تو پہننے سے انکار کر دیا۔ شیخ نورالدین کو ڈر ہوا کہ کہیں یہ بات سلطان کو گراں نہ گزرے۔ اس وقت سلطان بیٹھا ہوا بھی ایسی جگہ تھا، جہاں سے وہ شیخ کو دیکھ سکتا تھا۔ شیخ نورالدین نے دو آدمیوں کو متعین کیا کہ لبادہ کی دونوں آستین پکڑ کر شیخ کے پیچھے اس طرح چلیں گویا شیخ اس کو پہنے ہوئے ہیں۔ تاکہ سلطان کی اگر نظر پڑے تو یہ خیال نہ ہو کہ شیخ نے اس کا لبادہ استعمال نہیں کیا۔ فیروز شاہ نے اس کو محسوس کر لیا۔ شیخ نورالدین کے پاس آدمی بھیجا اور کہلوایا کہ شیخ منور کو اس کی زحمت نہ دیں۔ وہ "پادشاہ دین" ہیں، نامشروع کپڑا کس طرح استعمال کر سکتے ہیں۔[2]

(بقیہ صفحہ ۳۹۴) زیادہ دلچسپی پر اعتراض کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے کہا تھا کہ یہ شخص تو "دنبال گنجشک ملک بباد دہد" (عفیف ص ۳۱۶)۔ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں ایک رسالہ طب فیروز شاہی (نمبر ۱۶۰۷) موجود ہے جس میں بازکی بیماریوں اور ان کے علاج کا ذکر ہے۔

(نوٹ صفحہ ہذا) [1] تاریخ فیروز شاہی عفیف ص ۸۰ [2] ایضاً ص ۸۰-۸۱۔

Marfat.com

عبادت میں انہماک فیروز شاہ کی عبادت میں دلچسپی کا ذکر کرتے ہوئے عفیف لکھتا ہے:

سبحان اللہ نہ ہے مشغولی کہ فیروز شاہ داشت چند سورہ از کلام اللہ ہر روز خواندے و در روز جمعہ سورۂ کہف و در شب جمعہ سورۂ طہٰ بے ناغہ خواندے و در ہر روز پنجگانہ با جمعیت و جماعت گزاردے"[1]

سبحان اللہ! فیروز شاہ عبادت میں کیسی مشغولیت رکھتا تھا۔ ہر روز قرآن کی چند سورتیں پڑھتا تھا۔ جمعہ کے دن سورۂ کہف اور جمعہ کی رات میں سورۂ طہٰ بلا ناغہ پڑھتا تھا۔ اور ہر روز پانچوں وقت کی نماز با جماعت ادا کرتا تھا۔

تلاوت کرتے میں جہاں اسم اعظم اللہ آجاتا، فوراً ہاتھ چوم کر آنکھوں سے ملتا تھا[2]

فقہ میں دلچسپی فیروز شاہ کی مذہبی تعلیم کے متعلق معاصر تاریخوں میں کوئی تفصیل نہیں ملتی لیکن سیرت فیروز شاہی کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اُسے علوم دینی بالخصوص فقہ میں بہت دلچسپی تھی۔ فقہی مسائل پر کامل عبور اور مذاہب اربعہ پر "استحضار تام" تھا[3]۔ اور

"اکثر کتب فقہ از بدایت تا نہایت باستماع ہمایوں .... رسیدہ"[4]

فقہ کی اکثر کتابیں شروع سے آخر تک انہوں نے سنی ہیں۔

اس نے کتب فقہ کی تدوین میں بھی گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔ فتاوائے فیروز شاہی[5] اُسی کے اشارہ پر ترتیب دی گئی تھی۔ یہ کتاب اصل میں مولانا صدر الدین یعقوب مظفر کرمانی نے تالیف کی تھی لیکن وہ اس کو مکمل کرنے سے قبل ہی وفات پا گئے اور ایک دوسرے عالم نے (جنہوں نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا) اس کو نظر ثانی اور اضافہ کے بعد مکمل کیا۔ اس میں فتاوائے صغیری، فتاوائے خانیہ، فتاوائے سراجیہ، ہدایہ، واقعات حسامیہ، واقعات ظہیریہ، ایضاح، ذخیرہ، واقعات حامیہ وغیرہ کے حوالے ملتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۲۷۸ [2] سیرت فیروز شاہی۔ ورق ۱۵۱۔

[3] فتاوائے فیروز شاہی کا ایک قلمی نسخہ مسلم یونیورسٹی کے ذخیرۂ مخطوطات میں موجود ہے۔ نیز ملاحظہ ہو فہرست کتب خانہ انڈیا آفس نمبر ۲۵۶۴۔ فہرست کتب خانہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ص ۴۹۹۔

Marfat.com

نے اس کی تالیف میں کافی زحمت اُٹھائی تھی لیکن بایں ہمہ۔ یہ کتاب اپنے زمانہ کا فقہی کارنامہ نہ بن سکی۔ اور فتاوٰی تاتارخانیہ[1] کے سامنے اس کی کوئی حیثیت ہی نہ رہی۔ محمد غوثی شطاری نے لکھا ہے کہ فیروز شاہ کی خواہش تھی کہ مولنا عالم بن علاء[2] اس کتاب کو اس کے نام معنون کردیں لیکن اُنھوں نے تاتارخاں[3] کے احسانات کے پیش نظر ایسا کرنے سے انکار کردیا۔[4] کتاب کے دیباچہ میں مصنف نے ان کتابوں کی فہرست دی ہے جن سے اس کی تیاری میں استفادہ کیا گیا ہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم کا خیال ہے کہ "فقہ حنفی کے حاویات مبسوطات، مجامع، محیطون اور فتاوٰی کی شاید ہی کوئی کتاب ہو جس کا تتارخانیہ کے دیباچہ میں یہ کہتے ہوئے ذکر نہیں کیا گیا ہے کہ تدوین کتاب میں فلاں فلاں کتابیں زیر نظر تھیں[5]" حد یہ ہے کہ آٹھویں صدی کے ہم عصر مصنفین کی کتابوں کے حوالے بھی اس میں درج ہیں۔

عقائد پر ایک کتاب مولانا شرف محمد العطائی نے فوائد فیروز شاہی[6] کے نام سے مرتب کرکے فیروز شاہ کے نام معنون کی تھی۔ یہ کتاب ۱۱۵ ابواب پر مشتمل ہے جن میں مذہب، اخلاق اور معاشرت کا تقریباً ہر پہلو زیر بحث آگیا ہے[7]۔ گو کتاب کی ترتیب متداول کتب فقہ سے

---

[1] قلمی نسخے دارالکتب مصریہ، کتب خانہ پشاور، کتب خانۂ رام پور، کتب خانہ باکی پور وغیرہ میں موجود ہیں۔ کشف الظنون میں لکھا ہے کہ ایک ترکی عالم شیخ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم (المتوفی ۹۵۶ھ) نے اس کتاب کا انتخاب تیار کیا تھا۔ [2] ملاحظہ ہو گلزار ابرار (قلمی)، کشف الظنون جلد اول ص ۲۱۱۔ نزہت الخواطر ص ۶۰، محمد غوثی نے لکھا ہے کہ یہ کتاب ۷۵۸ھ میں مکمل ہوئی تھی۔

[3] مختصر حالات کے لیے ملاحظہ ہو: تاریخ فیروز شاہی عفیف ص ۳۸۸، ۳۹۴، عفیف نے لکھا ہے کہ تاتارخاں نے ایک تفسیر تاتارخانی بھی مرتب کرائی تھی (ص ۳۹۲)

[4] گلزار ابرار (قلمی) [5] مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت حصہ اول ص ۳۸۔

[6] اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ مسلم یونیورسٹی کے کتب خانہ میں موجود ہے لیکن کسی قدر ناقص ہے۔ دوسرے نسخے کے لیے ملاحظہ ہو: فہرست کتب خانہ باکی پور جلد ۱۴ ص ۷۷-۸۴، فہرست کتب خانہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ص ۵۱۷۔ [7] چند ابواب کی سرخیاں ملاحظہ ہوں ۲۹ در درود رسول و نسب و حلیہ و میلاد و وفات ۶۹ بازی و شطرنج ۸۶ در کلمات کفر و زندقہ و حکم رنج کافر در دنیا و نیابت تعلیم او ۹۳ در تحرو تصدیق کاہن۔ وغیرہ

Marfat.com

مختلف ہے، لیکن خیالات میں کوئی خاص فرق نہیں ہے مصنف نے فقہ کی کتابوں کے علاوہ صوفیہ کی تصانیف مثلاً کشف المحجوب، رسالہ مولانا شمس الدین یحییٰ[1]، رسالہ حجۃ الاسلام زبدۃ الصالحین، اوراد شیخ بہاء الدین زکریا وغیرہ سے بھی استفادہ کیا ہے۔

علم نجوم میں دلچسپی

فیروز شاہ کو علم نجوم میں گہری دلچسپی تھی۔ "منجمان دانا" اور "کاہنان باریک بیناں" سے وہ اکثر ستاروں کے متعلق معلومات حاصل کرتا رہتا تھا[2]۔ اس علم پر اس کا وسیع مطالعہ تھا۔ اور کئی کتابیں بھی اس فن پر اس نے تصنیف کرائی تھیں۔ لکھا ہے:

"چندیں مصنفات و مولفات و قواعد آں بتالیف و تصنیف خاص مخصوص گشتہ و باملا و ارشاد حضرت مسطور و مذکور است[3]"

صاحب سیرت فیروز شاہی نے علم نجوم میں اس کی دلچسپی کو کچھ اس انداز سے پیش کیا ہے جس سے اس سلسلہ میں بھی اس کی مذہبی عظمت کا پہلو نکل آیا ہے۔ لکھتا ہے:-

"و انچہ از علم نجوم عامہ اہل اسلام را از دانستن آں چارہ نیست و امرے ضروری و کلیست یکے معرفتِ سایہ اصلی است کہ صحت دخول وقت صلوٰۃ بداں تعلق دارد آنرا بوفور حکمت و کمال مہارت حضرت سلطنت پناہ خلد اللہ ملکہ .... حساب کردہ"[4]

اور عام مسلمانوں کو علم نجوم کے (جس حصہ کے) جانے بغیر چارہ نہیں اور جو بہت ضروری اور بنیادی کام ہے وہ سایہ کا علم ہے جو نمازوں کے صحیح وقتوں کے تعین سے تعلق رکھتا ہے اس کا حساب حضرت سلطنت پناہ نے (اس علم میں) اپنی پوری حکمت اور کمال کے ساتھ کیا ہے۔

اس نے ایک اسطرلاب[5] ایجاد کیا تھا جو "اسطرلاب فیروز شاہی" کہلاتا تھا[6]۔ اس کو منارہ فیروز آباد

---

[1] مولانا شمس الدین یحییٰ کے رسالہ سے ذمیوں کے لباس کے متعلق ایک روایت نقل کی گئی ہے (ورق ۱۱۶)

[2] تاریخ فیروز شاہی عفیف ص ۴۲۱۔ [3] سیرت فیروز شاہی ورق ۱۵۳۔ [4] ایضاً ورق ۱۵۹۔

[5] اسطرلاب کی نوعیت، مسلمانوں کی اس میں دلچسپی اور ہندوستان میں اس کے ماہرین کی تفصیلات کے لیے دیکھیے اسلامک کلچر جنوری ۱۹۳۵ء ص ۴۹-۵۳، اکتوبر ۱۹۳۹ء ص ۲۲۱-۲۳۱، جولائی ۱۹۴۶ء ص ۲۶۷-۲۸۱۔ [6] سیرت فیروز شاہی ورق ۱۵۳۔

Marfat.com

پر نصب کیا گیا تھا۔

جوالامکھی کے مندر میں فیروز شاہ کو نجوم پر ایک سنسکرت[1] کی کتاب ملی تھی جس کو اس نے عزالدین خالد خانی سے نظم میں ترجمہ کرایا۔ اس کا نام دلائل فیروز شاہی رکھا گیا تھا۔ نظام الدین بخشی نے اس کا مطالعہ کیا تھا، اس کی رائے ہے۔

الحق کتابیست متضمن اقسام حکمت علمی و عملی"[2]

صدیہے کہ بدایونی نے بھی اس کتاب کی تعریف کی ہے[3]۔ سجان رائے نے لکھا ہے کہ سلطان کو یہ کتاب بہت پسند آئی تھی اور اس نے

"در صلۂ آں بسیارے نقود از طلا و نقرہ وجامہ و جاگیر مرحمت کرد"[4]

اس کے صلہ میں بہت سی نقدی سونے اور چاندی کی صورت میں اور جامہ و جاگیر عطا فرمائی

علم نجوم پر باراہمیر کی مشہور کتاب باراہی سنکھتا[5] کا بھی فیروز شاہ نے ترجمہ کرایا تھا۔ یہ کتاب نجوم کی اعلیٰ ترین کتابوں میں شمار کی جاتی تھی اور البیرونی جب ہندوستان آیا تھا تو اس نے بھی اس کا ترجمہ کیا تھا[6]۔ انڈیا آفس کے کتب خانہ میں اس کا نسخہ ترجمہ باراشی[7] کے نام سے اور مسلم یونیورسٹی کے ذخیرہ سر شاہ سلیمان میں کتاب النجوم[8] کے نام سے موجود ہے۔ باراہمیر کی کتاب ۱۰۴ ابواب پر مشتمل تھی لیکن اس کے آٹھ باب (۴۱، ۴۲، ۴۶، ۴۷، ۵۴، ۵۶، ۵۷، ۵۸) ترجمہ میں اس بنا پر شامل نہیں کیے گئے تھے کہ ان میں کفر آمیز خیالات کا اظہار کیا گیا تھا کتاب النجوم کے شروع میں لکھا ہے:۔

ایں کتاب ترجمہ کردہ از ہندوی بفارسی امام العلماء عبدالعزیز شمس تھانیسری مولف

---

[1] سیرت میں لکھا ہے "از ہندوی بزبان فارسی ترجمہ فرمودہ است" (ورق ۱۵۳) غالباً "ہندوی" سے یہاں سنسکرت ہی مراد ہے۔ [2] طبقات اکبری جلد اول ص ۲۳۴، [3] منتخب التواریخ جلد اول ص ۲۴۹۔ [4] خلاصۃ التواریخ ص ۲۴۸۔ [5] اس کتاب کو ۱۸۳۸ء نے کلکتہ سے ۱۸۶۲ء میں شائع کیا تھا۔ اور ۱۸۷۱ء میں اس کا انگریزی ترجمہ بھی ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے رسالہ میں چھپا تھا۔

[6] کتاب الہند البیرونی ص ۲۰ [7] فہرست ص ۱۱۱۱-۱۱۱۲ نمبر ۱۹۹۔ [8] کتاب النجوم (نمبر ۵۲۶) ص ۱

تاریخ فیروز شاہی اصلح اللہ شانہ برحکم و فرمان بادشاہ دین دار ... ابوالمظفر فیروز شاہ ... ایں کتاب باراہی از نوادر کتب اہل ہند است" [1]

فیروز شاہ کو فال میں بھی بہت اعتقاد تھا[2]۔ ہر کام کے لیے قرآن میں فال دیکھتا تھا۔ حد یہ ہے کہ گورنروں کا تقرر تک فال دیکھ کر کیا جاتا تھا[3]۔ علاوہ ازیں سلطان تعویذ گنڈوں میں بھی یقین رکھتا تھا۔ غالباً اسی دلچسپی کے پیش نظر عبدالقوی المعروف بہ ضیار نے اپنی کتاب راحت الانسان اس کے نام معنون کی تھی۔ اس کتاب میں تین باب اور چوہتر فصلیں ہیں۔ بیشتر حصہ تعویذ گنڈوں، عملیات وغیرہ پر مشتمل ہے[4]۔

گانے اور شراب کا شوق

ہر چند کہ فیروز شاہ اتباع شریعت کا اتنا مظاہرہ کرتا تھا لیکن وہ شراب نوشی ترک کرنے پر قادر نہ ہو سکا۔ شیخ قطب الدین منورؒ نے اس سلسلہ میں اس پر تنبیہ کی تھی اور اس نے ترک کرنے کا وعدہ بھی کر لیا تھا[5]۔ لیکن یہ وعدہ شاید کبھی پورا نہیں ہوا۔ لکھنوتی کی دوسری مہم پر جب وہ روانہ ہوا تو تاتار خاں بھی اس کے ساتھ تھا۔ ایک دن" بعد از فراغ نماز دوراد با مداد" اپنے خیمہ میں شراب پینا ہی چاہتا تھا کہ تاتار خاں آگیا۔ سلطان نے جام و سبو کو پلنگ پر رکھ کر کپڑا ڈال دیا۔ تاتار خاں نے محسوس کر لیا اور باتوں ہی باتوں میں کہا کہ یہ توبہ و انابت کا وقت ہے۔ ان چیزوں کا نہیں ہے۔ سلطان نے جواب دیا کہ جب بواسیر کی تکلیف اُسے پریشان کرتی ہے تو وہ شراب پی لیتا ہے۔ تاتار خاں نے پھر کہا:

"ایں محل استغفار است، دریں چیزہا مشغول شدن نشاید" — یہ توبہ و استغفار کا موقع ہے۔ ان چیزوں میں مشغول ہونا نہیں چاہیے۔

اس پر سلطان نے قسم کھائی کہ جب تک تاتار خاں لشکر میں ہے وہ شراب نہیں پیے گا۔ چند ہی دن کے بعد تاتار خاں کو ایک بہانہ سے حصار فیروزہ بھیج دیا گیا[6]۔

---

[1] کتاب النجوم (نمبر ۵۲۶) ص ۱، [2] [3] تاریخ فیروز شاہی، عفیف ص ۲۲۵،
[4] فہرست کتب ایشیاٹک سوسائٹی ص ۱۶، [5] تاریخ فیروز شاہی عفیف ص ۹۰،
[6] تاریخ فیروز شاہی عفیف ص ۱۲۷-۱۲۷، عفیف نے اس کی شراب نوشی کا ذکر کرتے ہوئے (باقی بر ص ۴۰۱)

Marfat.com

سلطان کو گانے کا بھی بہت شوق تھا۔ نماز جمعہ کے بعد اس کا وقت "طائفۂ مطرباں" میں گزرتا تھا عفیف نے لکھا ہے کہ موسیقی میں اس کی دلچسپی کے باعث

"کاروبار مطربان دہلی بجائے رسید کہ فرزندان خود سال برابر خود کردہ از شہر دہلی تا شہر فیروزآباد می آمدند"[1]

دہلی کے گویوں کے کاروبار میں یہاں تک ترقی ہوئی کہ وہ چھوٹے بچوں کو ساتھ لے کر شہر دہلی سے فیروزآباد آنے لگے۔

اس کے عہد میں موسیقی پر دو کتابیں لکھی گئی تھیں۔ ایک غنیۃ المنیۃ جس میں ہندوستانی گانوں کا ذکر ہے۔ اور دوسری کتاب فرید الزماں فی معرفت الالحان کا فارسی ترجمہ۔ اول الذکر کا ایک قلمی نسخہ انڈیا آفس کے کتب خانہ میں موجود ہے[2]۔

شخصی زندگی میں مذہب کا احترام شراب نوشی اور موسیقی میں دلچسپی سے قطع نظر، فیروز کی زندگی میں شریعت کا کافی احترام معلوم ہوتا ہے۔ محمد بن تغلق کے عہد میں چاندی سونے کے برتن بڑی کثرت سے استعمال ہوتے تھے[3] اور تلوار کی پیٹیاں، خول اور ترکش سونے کے بنائے جاتے تھے اور اُن پر جواہرات جڑے جاتے تھے۔ خود لکھتا ہے:

"آں را منع کردہ حلیہ سلاح خود از استخوانہائے شکاری ساختیم و استعمال آوانے کہ در شرع مباح است اعتیاد کردیم"[4]

میں نے ان چیزوں کو منع کر دیا اور اپنے ہتھیاروں کے نیام شکار کے جانوروں کی ہڈیوں سے بنوائے اور ان برتنوں کا استعمال شروع کیا جو شرعاً جائز ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۴۰۰) لکھا ہے: "زہے شرابے کہ فیروز شاہ خرد با انواع رنگ و با انواع مزہ بعضے برنگ زعفران و بعضے برنگ گل و بعضے برنگ سپید و مزہ او مانند شیر شیریں" جس کے معنی یہ ہیں کہ شراب کے لیے خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ عفیف کے بیان سے ایسا خیال ہوتا ہے کہ غالباً شراب نوشی کی عادت صرف "آغاز جلوس" تک رہی تھی۔ (نوٹ صفحہ ہذا)

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۳۶۸

[2] فہرست کتب خانہ انڈیا آفس ص ۱۱۱۶-۱۱۱۷ نمبر ۲۰۰۸۔ کتاب گجرات کے گورنر ابراہیم حسن ابو رجا کی فرمائش پر لکھی گئی تھی۔

[3] عجائب الاسفار ص ۹۳-۹۷، ۹۸، ۱۰۱، ۱۰۲ وغیرہ

[4] فتوحات فیروز شاہی ص ۱۱۔

ایام سابقہ میں شاہی خلعتوں[1]، گھوڑوں کی لگاموں، عود کی انگیٹھیوں، پیالوں، خیموں کے دروازوں، پردوں وغیرہ پر تصویریں بنائی جاتی تھیں۔ فیروز شاہ نے حکم دیا کہ

"جملہ صورت و تمثال از جمیع ایں چیزہا دور کنند" — ان تمام تصویروں اور صورتوں کو مٹا دیا جائے۔

محلات شاہی کی دیواروں پر جو تصویریں بنی ہوئی تھیں وہ بھی صاف کر دی گئیں[2]۔

اس زمانہ میں ریشمیں اور زربفت کے کپڑے عام طور پر دربار میں استعمال ہوتے تھے۔ خود فیروز نے ابتدائے عہد میں جو خلعت شیخ قطب الدین منورؒ کو بھیجا تھا وہ ریشمین تھا۔ فیروز شاہ نے ان سب کو ممنوع قرار دیا اور

"ملبوسات ہمچناں شد کہ در شرع محمدؐ مصطفیٰ مباح است" — لباس ایسے رائج کیے جو شرع محمدی کی رو سے جائز ہیں۔

علمائے زردوزی اور کلاہ زربفت کے متعلق اس نے حکم دیا کہ اُن کی چوڑائی چار انگل سے زیادہ نہ ہو[3]۔

خانقہی نظام کو زندہ کرنے کی کوشش

محمد بن تغلق کی پالیسی کے زیر اثر شمالی ہندوستان میں خانقہی نظام کی بربادی صرف لنگروں کی تباہی یا مشائخ کے منتشر ہو جانے تک محدود نہ رہی تھی بلکہ اس ہنگامۂ دار و گیر میں وہ روایات فنا ہو گئی تھیں جن پر اس نظام کی بقا کا انحصار تھا۔ فیروز شاہ نے خانقہی زندگی کو بحال کرنے کے لیے جو کوششیں کیں وہ سوکھی ہوئی کھیتی کو پانی دینے کے مترادف تھیں اس کی فیاضی سے زمین تو تر ہو گئی لیکن پودوں پر شگفتگی اور تروتازگی واپس نہ آ سکی۔ برنی نے

---

[1] علاء الدین خلجی نے علاء الملک کو جو خلعت دیا اس کے متعلق برنی نے لکھا ہے: "جامہ زردوزی صورت شیر و مگر یافت زرنیم منی" (ص ۲۰۱)، محمد بن تغلق کے عہد میں بھی یہی صورت تھی۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے: ریشم کا زریں خلعت جس کو شیر صورت کہتے ہیں اس کو پہنائی گئی، اس خلعت کی پشت اور سینہ پر شیر کی تصویر ہوتی ہے" (ص ۲۰۹) [2] فتوحات فیروز شاہی ص ۱۱، سلطان محمود غزنوی کے بیٹے مسعود کے محل کی دیواروں پر جنسی جذبات متحرک کرنے والی تصویریں تھیں، سلطان محمود نے ان کو مٹوا دیا تھا۔ تاریخ آل سبکتگین ص ۱۳۵۔

[3] فتوحات فیروز شاہی ص ۱۱۔

لکھا ہے کہ سلطان نے شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ، شیخ بہاءالدین زکریاؒ، شیخ رکن الدین ابوالفتحؒ، شیخ نظام الدین اولیاءؒ، شیخ جمال الدینؒ وغیرہ کے خاندانوں اور خانوادوں کو کثرت سے گاؤں، وظائف اور باغات تقسیم کیے اور اُن خانقاہوں میں جہاں خاموشی اور سناٹا چھایا ہوا تھا، قرآن خوانی، فاتحہ اور تسبیح و تہلیل کے ہنگامے پھر گرم ہو گئے۔ اور

خانقاہات شہر و حوالی کہ از سالہا باز حکم خراب پذیرفتہ بود و پرندہ پر نمی زدو تشنہ آب نمی یافت از مراحم سلطانی فیروز شاہی از آستانہ داران و صوفیان و متعبدان و قلندران و حیدریان و مسافران و مسکینان پر و چیان شدہ است[1]

شہروں اور قرب و جوار کی خانقاہیں جو برسوں سے خراب حالت میں پڑی تھیں اور جہاں پرّہ تک پھڑکنا پسند نہیں کرتا تھا اور جہاں پیاسے کو پانی بھی نہیں ملتا تھا سلطان فیروز شاہ کی فیاضی سے آستانہ داروں، صوفیوں، زاہدوں، قلندروں، حیدریوں، مسافروں اور مسکینوں سے

بیچارے برنی کی نگاہوں نے جس ظاہری کروفر اور چہل پہل سے دھوکا کھایا تھا[2] وہ حقیقی تصوف سے دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتی تھی۔ حکومت کی مدد چند آستانہ داروں کی خورد و نوش کا سامان تو ضرور مہیا کر سکتی تھی لیکن تصوف کے گزرے ہوئے دور کو واپس نہیں لا سکتی تھی۔ چنانچہ عہد فیروزی کی خانقاہیں مسافروں کے ٹھہرنے اور حکومت کی طرف سے خیرات تقسیم کرنے کے لیے تو اچھی جگہیں تھیں[3]، لیکن روحانی اصلاح و تربیت کے صبر آزما کام سے اُنہیں کوئی

---

[1] تاریخ فیروز شاہی، برنی ص ۵۶۰ [2] یہ افسوسناک حقیقت ہے کہ برنی شیخ نظام الدین اولیاءؒ کا مرید ہوتے ہوئے بھی تصوف کی روح سے ناآشنا تھا۔ نسلی امتیازات پر اس کا اصرار، شریف و رذیل کا فرق، ہندوؤں پر سختی وغیرہ وغیرہ — یہ وہ نظریات ہیں جو اس نے اپنی کتابوں میں جگہ جگہ بیان کیے ہیں اور جو شیخ کی تعلیم کے بالکل برعکس ہیں۔ علاوہ ازیں شیخ کے متعلق جو کچھ اس نے لکھا ہے (تاریخ فیروز شاہی ص ۳۴۱-۳۴۶) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ظاہری ہنگامہ کو تو دیکھ سکتا تھا، لیکن شیخ کے فکر کی گہرائی تک پہنچنے کی صلاحیت نہ رکھتا تھا!

[3] ان خانقاہوں کا مقصد سیرت فیروز شاہی کے مصنف نے یہ بیان کیا ہے: "تا مدام و مستدام بغرباء و فقراء کہ آمد و رفت ہمہ اوان نعمت و مایحتاج الیہ بمراد برسانند" (ورق ۴۰) اور یہی بات حنیف نے لکھی۔ ملاحظہ ہو تاریخ فیروز شاہی ص ۳۳۰-۳۳۱۔

سروکار نہ تھا۔ معاصر مورخوں اور شاعروں کی نظریں خانقاہوں کے بام و در کی بلندی کو دیکھتی تھیں اور اعلان کرتی تھیں ؎

صحن و کنف آں پر حسن و جمالست　　سقف و طرف آں پر رنگ و نگارست[1]

لیکن "کاروانِ رفتہ" کے بچھڑے ہوئے جو دو ایک مشایخ طریقت رہ گئے تھے وہ چشم پرنم کے ساتھ یہ اعلان کر رہے تھے۔

امروز ایں کار (شیخی) بازی بچگاں شد[2]

مزارات پر حاضری

فیروز شاہ اپنے رشتہ داروں بالخصوص اپنی والدہ[3]، مشایخ اور سلاطین کی قبروں پر جایا کرتا تھا۔ کسی مہم پر روانہ ہونے سے قبل وہ دہلی کے سلاطین اور مشایخ کی قبروں پر فاتحہ کے لیے حاضر ہوتا تھا[4]۔ تاریخوں اور تذکروں میں حضرت بابا فرید گنج شکرؒ، شیخ بہاء الدین زکریاؒ، شیخ نظام الدین اولیاءؒ اور دیگر بزرگوں کے مزارات پر اس کی حاضری کا متعدد جگہ ذکر ملتا ہے۔ جب تتہ کی مہم پر روانہ ہوا تو اثنار راہ میں چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں کے مقبروں پر خصوصیت سے گیا۔ شیخ الاسلام صدر الدین نبیرۂ شیخ بہاء الدین زکریاؒ اس کے ہمراہ تھے۔ انہوں نے سلطان سے شکایت کی کہ

"مشایخ شہر ملتان را پہلو مال گذاشتہ　　شہر ملتان کے مشائخ کو نظر انداز کر دیا اور شیخ

زیارت بندگی شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین　　الاسلام شیخ بہاء الدین زکریاؒ کی زیارت

---

[1] سیرت فیروز شاہی ورق ۱۰۶، مصنف نے یہ شعر خانقاہ فتح خاں کے متعلق لکھا ہے۔ حوضوں کے کنارے جو خانقاہیں بنائی گئی تھیں ان کا حال سیرت (ورق ۱۰۶) میں پڑھا جا سکتا ہے۔

[2] اخبار الاخیار۔ ص ۸۲۔　　[3] سیرت فیروز شاہی۔ ورق ۵۰۔

[4] تاریخ فیروز شاہی، عفیف ۱۹۴۔ "ہر بار کہ خواستے از شہر دہلی جانے سواری کند اگرچہ یک ماہ یا دو ماہ سواری بودے عاقبت جمیع مشائخ دیندار و سلاطین نامدار را زیارت کردے و از ہر یکے استمداد خواستے خود را در پناہ ایشاں انداختے" (عفیف) شیخ نور الحق نے لکھا ہے کہ سلطان فیروز صرف غیاث الدین بلبن کی قبر پر نہیں جاتا تھا۔ بلکہ جب کبھی اس کا ذکر آجاتا تھا تو "غلام خواجہ کش" کے نام سے اسے یاد کرتا تھا۔ زبدۃ التواریخ رد ٹوگراف ورق ۱۶۔

زکریاؒ نکردہ"[1] کے لیے نہیں گئے۔

واپسی پر فیروز نے سہروردیہ سلسلہ کے مشائخ کے مزارات پر بھی حاضری دی[2]۔ ۷۵۷ھ میں بہرائچ گیا اور سید سالار مسعود غازیؒ کے مزار پر حاضر ہوا۔ اور کچھ دنوں وہاں قیام کیا۔ ایک دن سید سالارؒ کو خواب میں دیکھا۔ انہوں نے فیروز کو دیکھ کر اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرا جس کی اس نے یہ تعبیر کی کہ ــــ

"ایام پیری غلبہ آوردہ، استعداد آخرت می باید کرد"[3]

ایام پیری کا غلبہ ہو گیا ہے، آخرت کا سامان کرنا چاہیے۔

دوسرے دن صبح ہی فیروز محلوق ہوا۔

تعمیر مزارات و مقابر فیروز شاہ نے اپنے عہد حکومت میں متعدد مزارات تعمیر کرائے اور بے شمار مزارات کی مرمت کرائی[4]۔ اس سلسلہ کی کچھ تعمیرات کا ذکر اس نے اپنی فتوحات میں بھی کیا ہے۔ لکھتا ہے کہ سلطان معزالدین سام[5] کے مقبرے کی مغربی دیوار اور دروازے کے تختے پرانے اور فرسودہ ہو گئے تھے، اُن کی تجدید کرائی گئی اور بجائے لکڑی کے صندل استعمال کیا گیا[6]۔ سلطان ایلتمش کے مقبرہ کے جو ستون گر گئے تھے، ان کی جگہ پتھر ستون بنوائے گئے، مقبرہ کا صحن پختہ کرایا گیا اور گنبد کے نیچے ایک سنگ تراشیدہ زینے کا اضافہ کیا گیا[7]۔ ملک پور میں سلطان معزالدین پسر سلطان شمس الدین کا مقبرہ بالکل منہدم ہو چکا تھا، اس کی از سر نو تعمیر کرائی گئی۔

---

[1] تاریخ فیروز شاہی، عفیف ص ۲۳۰۔ [2] ایضاً ص ۲۷۲۔

[3] ہمچنیں مزار و مقابر مشائخ و اولیاء ... عمارت فرمودہ" سیرت فیروز شاہی ورق ۹)

[4] سلطان معزالدین سام کے مقبرے کے متعلق یہ بیان پریشانی سے خالی نہیں۔ سلطان کی شہادت دمیک میں ہوئی تھی اور اس کو غزنین میں دفن کیا گیا تھا۔ سلطان کے مرقد و مقتل کے متعلق تفصیلی معلومات درکار ہوں تو معارف (جون ۱۹۴۳ء) میں مولانا ریاست علی ندوی کا مضمون (۴۴۶-۴۶۰) اور معارف (ستمبر ۱۹۴۳ء) میں ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کا مضمون (۲۱۹-۲۲۷) اور برہان (جنوری ۱۹۵۶ء) میں کرنل خواجہ عبدالرشید کا مضمون (۱۷-۳۰) مطالعہ کرنا چاہیے۔

[5] فتوحات فیروز شاہی ص ۱۲۔ [6] ایضاً ص ۱۳۔ نیز ملاحظہ ہو آثار الصنادید ص ۶۵-۶۶۔

Marfat.com

اور گنبد، چبوترہ اور احاطہ بنوایا گیا[1]۔ اسی طرح ملک پور میں سلطان رکن الدین کے مقبرہ کا احاطہ اور گنبد بنوایا گیا اور ایک خانقاہ وہاں تعمیر کی گئی[2]۔ جلال الدین خلجی کے مقبرہ پر ایک نیا دروازہ لگایا گیا[3]۔ علاء الدین خلجی کے مقبرہ میں صندل کے دروازے لگوائے گئے اور آبدار خانہ اور مسجد کی دیواریں درست کرائی گئیں[4]۔ نیز خلجی شہزادوں خضر خاں، شادی خاں، فرید خاں، اسکندر خاں، سلطان قطب الدین اور شہاب الدین وغیرہ کے مقبرے بھی ٹھیک کرائے گئے[5]۔ ملک کافور کا مقبرہ جو زمین میں دھنس گیا تھا از سر نو تعمیر کیا گیا[6]۔ دارالامان میں جہاں تغلق سلاطین کی قبریں تھیں، صندل کے دروازے بنوائے گئے اور خانہ کعبہ کے دروازوں کے پردے سائبان کے طور پر لگائے گئے[7]۔ ان مقبروں سے متعلق اوقاف کو بھی جاری کیا گیا[8]۔

سہوان میں مخدوم لعل شہباز قلندرؒ کی خانقاہ کے عقب میں مندرجہ ذیل دو کتبے نصب ہیں:-[9]

جہاں مردم کش است ای دل مباش از جان وفادارش را، کی جز کین و جفا نامد ز بیدادی دگر کارش
تو از حال محمد شاہ برگیر اعتبار از وے کی چوں او رنگ شاہی در ربود ایں دور غدارش
شہنشاہیست ایں اے خواجہ کش مپنی بخاک اندر کی ہمچوں بندگاں بوند شاہان جہاندارش
اگرچہ پیش ازیں صد بار دیدی بارش چناں دیدی کنوں چشم خرد بکشا دریں جا بنگر ایں بارش
جہاں بگشاد از مردے و بخشید از جوانمردی بدہر از کوشش فراواں بود کردارش
(شد از) ماہ محرم (بیست و یک) کاندر شب شنبہ گذشتہ ہفصد و پنجاہ و دو شد عزم آں دارش

(۲)

بعہد دولت فیروز شاہ خسرو گیتی کہ یزداں بر سریر سلطنت بادا نگہدارش
بر آں سلطاں دیں پرور برآمد ایں چنیں گنبد کی آمد پیش پائے گنبد گردون دوارش

---

[1] فتوحات فیروز شاہی ص ۱۳ [2]-[3] ایضاً ص ۱۳-۱۴ [6] ایضاً ص ۱۴
[4] ایضاً ص ۱۴-۱۵ [5] ایضاً ص ۱۵
[9] اورینٹل کالج میگزین۔ فروری ۱۹۳۵ء ص ۱۴۸-۱۵۱

Marfat.com

بسال ہفصد و پنجاہ و چہار از ہجرت احمد قبول بندۂ درگاہ او سرمست مہ مارش

غالباً یہ مقام وہ ہوگا جہاں محمد بن تغلق کی نعش کو کچھ عرصہ کے لیے امانتاً دفن کر دیا گیا تھا، اسی بنا پر ۷۵۴ھ میں فیروز شاہ نے یہاں ایک گنبد تعمیر کرا دیا۔

سلاطین کے مقابر کے علاوہ سلطان فیروز نے مشائخ کے مزارات بھی بڑی تعداد میں تعمیر کرائے تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے مقبرہ کے دروازے اور جالیاں صندل کی بنوائی گئیں اور سونے کی قندیلیں سونے کی زنجیروں سے باندھ کر چاروں کونوں پر لٹکا دی گئیں اور ایک جماعت خانہ[1] نیا تعمیر کیا گیا۔[2]

شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کا مزار بھی فیروز شاہ نے تعمیر کرایا تھا مزار کے دروازے پر کتبہ ہے:

"بسم اللہ تیمناً بذکرہ۔ عمارۃ ایں گنبد در عہد ہمایوں الواثق باللہ ابو المظفر فیروز شاہ سلطان خلد اللہ ملکہ سال ہفصد ہفتاد و پنج از تاریخ ہجرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بود"۔[3]

سہسوان کے کتبات سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد فیروزی میں شیخ عثمان مروندیؒ کے مزار پر روضہ

---

[1] شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے مزار کے قریب جماعت خانہ کی عمارت کے متعلق سیر العارفین میں لکھا ہے "وایں عمارت عالی کہ مقبرۂ حضرت شیخ کہ در صحن وے واقع است ساختۂ خضر خاں است" (ص ۴۲) لیکن یہ بیان اس لیے قابل قبول نہیں کہ سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ "آنجا کہ روضۂ منور کہ سلطان المشائخ است صحرا بود، بعد ازاں سلطان المشائخ سلطان محمد بن تغلق بر روضۂ منور کہ سلطان المشائخ گنبد عمارت کنانید" (ص ۱۵۴) سرسید نے آثار الصنادید (ص ۳۸) میں اس عمارت کو خضر خاں سے منسوب کرنے کے سلسلہ میں جو عبارت لکھی ہے اس کا ماخذ یقیناً سیر العارفین ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ مسجد (جو شروع میں جماعت خانہ تھا) محمد بن تغلق نے بنوائی تھی، فیروز نے اسی بنیاد پر "جماعت خانہ جدید ... کہ آنچناں پیش ازیں آنجا نبود" (فتوحات ص) تعمیر کرایا۔ فیروز شاہ کے عہد میں اس جگہ کی خوبصورتی، حجروں کی کثرت کا ذکر مطہر نے اپنے دیوان میں کیا ہے۔ ملاحظہ ہو اورینٹل کالج میگزین۔ مئی ۱۹۳۵ء۔ ص ۱۳۵-۱۳۶۔

[2] فتوحات فیروز شاہی۔ ص ۱۴۔

[3] آثار الصنادید ص ۱۹، واقعات دار الحکومت دہلی جلد سوم ص ۹۳۔

Marfat.com

بنوایا گیا تھا جس میں سات طاق اور چھ گنبد تھے[1]۔ علاوہ ازیں ولی اللہ علامہ الحق علی بغدادیؒ کی قبر پر اسی زمانہ میں ایک گنبد تعمیر کیا گیا تھا[2]۔

فقراء و مشائخ سے عقیدت

فیروز فقراء و مشائخ سے بڑی عقیدت رکھتا تھا۔ خود فتوحات میں لکھتا ہے:

"بہ عنایاتِ حق تواضع فقراء و مساکین واستمالتِ قلوبِ ایشاں در دل ما تمکن یافت تا ہر جا کہ فقیرے و گوشہ نشینے یا یتیم برائے ملاقات او قدم زدیم و بہ دعاء استمداد نمودیم تا فضیلت نعم الامیر لباب الفقیر (علی باب الفقیر) اکتساب کردہ شود"[3]

خدا کی مہربانی سے میرے دل میں فقراء و مساکین کی خاطرداری اور اُن کی تالیف قلوب کا جذبہ پیدا ہوا۔ حتیٰ کہ جہاں کہیں مجھے کوئی فقیر یا گوشہ نشین ملتا ہے میں اس کی ملاقات کے واسطے جاتا ہوں اور دعا کے ذریعہ اس کی مدد حاصل کرتا ہوں تاکہ "وہی امیر سب سے بہتر ہے جو فقیر کے دروازہ پر جاتا ہے" کی فضیلت حاصل کروں۔

سیرتِ فیروز شاہی[4] اور تاریخ فیروز شاہی[5] میں تفصیل کے ساتھ اس کی فقراء و مشائخ سے عقیدت

---

[1] شیخ عثمان مرندیؒ کا تفصیلی حال کسی کتاب میں نظر سے نہیں گزرا۔ ابن بطوطہ اُن کے مزار پر پہنچا تھا۔ (عجائب الاسفار۔ ص ۹) کتبہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

بعہد دولت فیروز شہ سلطاں دیں پرور — کہ خاک درگہش سازند شاہان جہاں افسر
عمارت شد مقام شیخ عثماں مرندی کو — ولی اللہ بازا سفید میر بحر بود و بر
اگرچہ اولیاء اندر زماں شیخ بس بودند — ولیکن در کرامت بود او از ہمگناں برتر
بنا لیش کرد والی اختیار الدین ملک ارشد — امیر عادل و باذل تہمتن ثانی اسکندر

(اورینٹل کالج میگزین، فروری ۱۹۳۵ء ص ۱۴۹)

[2] شد بنائے گنبد عالی بعہد شہریار — شاہ فیروز آنک بگرفتہ است گیراں زو قرار

(اورینٹل کالج میگزین، فروری ۱۹۳۵ء ص ۱۵۱)

[3] فتوحات فیروز شاہی ص ۱۷، مظہر اس کے متعلق لکھتا ہے۔

ہر جا کہ اہل دانش و اصحاب لبد بود — نان داد و دیر داد و دد، مہا شمار کرد

[4] سیرت فیروز شاہی ورق ۸۵ تا ۹۰، لکھتا ہے: "ہر شہرے و قریہ کہ درویشے متقی و زاہدے استماع فرمود بوجود عظمت سلطنت و جلالت جہانداری مسکن آن فقیر را بقدم میمون ہمایوں منور گردانید"

[5] تاریخ فیروز شاہی، عفیف ص ۳۷۱

کا ذکر کیا گیا ہے۔ عفیف کا بیان ہے کہ فیروز شیخ علاء الدین اجودھنیؒ سے بیعت تھا[1]۔ سیرت کے مصنف نے مجذوبوں سے اس کے تعلقات کا بھی ذکر کیا ہے[2]۔ لکھنوتی جاتے ہوئے سلطان بہت سے مساکین فقراء اور مشائخ کے آستانوں پر حاضر ہوا تھا۔ اسی زمانہ میں ایک تارک الدنیا بزرگ شیخ ہمبر سے ملا تھا۔ وہ گھاس پھوس پر گزارہ کرتے تھے اور ترک و تجرید کی زندگی بسر کرتے تھے۔ سلطان نے اُن سے راہ سلوک اختیار کرنے کا سبب پوچھا تو اُنہوں نے بتایا کہ ایک زمانہ میں شراب پیے ہوئے دریا کے کنارے مست گھوم رہا تھا، دریا میں جا پڑا۔ اسی حالت میں شیخ الاسلام فریدالدینؒ کی صورت دکھائی دی کہ فسق و فجور سے توبہ کرنے کی تلقین کر رہے ہیں۔ دریا سے باہر نکل کر سارا مال و منال لٹا دیا اور گوشہ نشین ہو کر عبادت میں مشغول ہو گیا۔ فیروز نے فیروز آباد کی جامع مسجد کے قریب ایک حجرہ اُن کے لیے تعمیر کرا دیا اور وہ وہاں رہنے لگے[3]۔ ایک اور بزرگ بہادر سے ملاقات کا حال بھی سیرت میں ملتا ہے[4]۔

شیخ نصیرالدین چراغ دہلویؒ اور سلطان تذکروں میں شیخ نصیرالدین چراغ دہلویؒ اور سلطان فیروز کے درمیان گہرے تعلقات کا ذکر ملتا ہے لیکن تحقیق کے بعد یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ سب افسانے ہیں جو بعد کو تراش لیے گئے ہیں۔ فیروز سے شیخ نصیرالدین چراغؒ کے جو کچھ بھی مراسم یا تعلقات تھے اُن کی ابتدا تخت کے قیام کے دوران میں ہوئی تھی اور دہلی پہنچنے سے قبل ہی وہ سلسلہ ختم ہو گیا تھا[5]۔ صورت حال یہ تھی کہ جس وقت تغلق میں محمد بن تغلق کا انتقال ہوا تو فوج پر اور اُن لوگوں پر جو دہلی سے ہزاروں میل دور باغی آبادی کے درمیان ٹھہرے ہوئے تھے، مایوسی اور ہراس کی کیفیت طاری ہو گئی۔ حالات کی نزاکت کے پیش نظر شیخ نے دیگر اور علماء و مشائخ کے ساتھ مل کر فیروز کو تخت پر بٹھا دیا۔ دہلی پہنچ کر انہوں نے فیروز سے کسی طرح کا تعلق نہیں رکھا۔

---

[1] تاریخ فیروز شاہی، عفیف ص ۳۷۱۔ [2] سیرت فیروز شاہی ورق ۸، تا ۹،

[3] شیخ نے نہایت با اخلاق طریقہ سے سلطان فیروز سے اپنا پیچھا چھڑا لیا تھا۔ تاریخ فیروز شاہی، عفیف ص ۶۱

کبھی دربار میں گئے نہ کوئی جاگیر قبول کی۔ برنی نے ان علماء و مشائخ کا ذکر کیا ہے جن پر سلطان نے جاگیریں، باغات، وظائف و ادرارات کی بارش کی تھی۔ شیخ نصیرالدینؒ کا نام اس فہرست میں نہیں ملتا۔[1] وجہ ظاہر ہے۔ خیرالمجالس میں فیروز کا کوئی ذکر ہی نہیں بلکہ اس زمانہ کے حالات پر شدید ترین تنقید ہے۔ پروفیسر محمد حبیب کا خیال بالکل درست ہے کہ جو شخص اس بیباکی کے ساتھ حالات پر تنقید کر رہا تھا اس کا سلطان یا عمال حکومت سے کیا واسطہ ہو سکتا تھا![2]

جوامع الکلم میں ایک واقعہ درج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نے خود سلطان سے تعلقات رکھنے پسند نہیں کیے۔ ایک دن فیروز شیخ کی خانقاہ میں آیا۔ شیخ قیلولہ کر رہے تھے اور اُن کے خادم خاص مولانا زین الدین کہیں باہر گئے تھے۔ سلطان خانقاہ کے صحن میں کھڑا تھا کہ بارش ہونے لگی۔ فوراً ہی مولانا زین الدین آ گئے۔ انھوں نے شیخ کو اطلاع دی وہ سلطان کے استقبال کے لیے باہر آنے کے بجائے وضو کر کے نماز میں مشغول ہو گئے۔ سلطان کو یہ انتظار گراں گزرا۔ تاتارخاں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا:

ما بادشاہ نہ ایم، بادشاہ ایشاں اند ہم بادشاہ نہیں ہیں۔ بادشاہ تو یہ ہیں

جب شیخ حجرہ سے باہر آئے تو صحن ہی میں سلطان کے لیے ایک شطرنجی بچھوا کر وہیں باتیں کرنے لگے۔ فیروز تھوڑی دیر بیٹھا، پھر "رنجیدہ و ناخوش" واپس ہو گیا۔[3] یہ واقعہ اس پورے ماحول اور طرز فکر سے ہم آہنگ ہے جو شیخ کے ملفوظات میں کارفرما نظر آتا ہے۔ فیروز شاہ جس نظام حکومت کو چلا رہا تھا، اس سے شیخ کو شدید شکایتیں تھیں۔ وہ حالات گرد و پیش کو امراء یا علماء کے زاویۂ نگاہ سے نہیں بلکہ عام لوگوں کے نقطۂ نظر سے دیکھ رہے تھے ـــــ عہد علائی میں کوئی فقیر بغیر لحاف نہ ہوتا تھا، بعض کے پاس کئی کئی ہوتے تھے، پہلے کتنی ارزانی تھی بڑی بڑی دعوتیں ایک تنکہ میں مرتب ہو جاتی تھیں[4] وغیرہ وغیرہ ـــــ ان جملوں میں ماحول سے جو دل

---

[1] تاریخ فیروز شاہی۔ برنی۔ ص ۵۵۸-۵۶۰ [2] اسلامک کلچر اپریل ۱۹۳۶ء ص ۱۴۴

[3] جوامع الکلم ص ۲۱۹۔ [4] ملاحظہ ہو خیرالمجالس ص ۱۸۵، ۲۴۰، ۸۸، ۱۳۹ وغیرہ

Marfat.com

بھاشنگی اور سایوسی ٹپکتی ہے اُس کا کچھ تعلق فیروز سے بھی تھا!

شیخ شرف الدین پانی پتیؒ اور سلطان

سیرت فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ شیخ شرف الدین پانی پتیؒ فیروز شاہ سے بہت محبت کرتے تھے۔ وہ اکثر "عالمِ وحدت" اور "مقامِ وحشت" میں رہتے تھے۔ کھانا کم کھاتے تھے۔ کبھی خواہش ہوتی تو "شیر با نبات" چکھ لیتے تھے۔ اپنا بچا ہوا کھانا کسی کو نہ دیتے تھے۔ لیکن اکثر اوقات فیروز کو ان الفاظ کے ساتھ بھجوا دیتے تھے۔

"برائے فرزند من فیروز ببرند" [1] میرے بیٹے فیروز کے لیے اس کو لے جائیں۔

شیخ قطب الدین منورؒ اور فیروز

شیخ قطب الدین منورؒ چشتیہ سلسلہ کے اُن بزرگوں میں تھے جن کو خانقہی زندگی میں کسی طرح کی مداخلت پسند نہیں تھی۔ اس لیے فیروز شاہ کی عقیدت اور نیاز مندی بھی اُن کو حکومت سے قریب لانے میں کامیاب نہ ہوئی۔ علاوہ ازیں اُنہوں نے جس جرأت اور بیباکی کے ساتھ فیروز پر تنقید کی تھی اس کے پیش نظر یہ توقع بھی نہیں کی جا سکتی تھی کہ سلطان اُن سے روابط قائم کرنے کے لیے کوئی غیر معمولی کوشش کریگا۔ اُن کے بیٹے شیخ نورالدینؒ نے بھی اپنے خانوادہ کی روایات پر عمل کیا۔ حصار فیروزہ کو آباد کرنے کے بعد[2] فیروز اُن سے ملنے کے لیے ہانسی گیا۔ جب خانقاہ میں پہنچا تو شیخ نورالدینؒ نے سجادہ سے اٹھ کر استقبال کے لیے آگے بڑھنا چاہا لیکن سلطان نے قسم دلا کر روک دیا۔ پھر فیروز نے اُن سے حصار فیروزہ میں قیام کی درخواست کی اور کہا کہ اگر آپ وہاں قیام کرنا پسند کریں تو ایک خانقاہ تعمیر کرا دی جائے اور اس کے مصارف کا انتظام کر دیا جائے۔ شیخ نورالدینؒ

---

[1] سیرت فیروز شاہی ورق ۸۶۔ [2] حصار فیروزہ میں سلطان نے ایک نہر بھی کھدوائی تھی اور اس کی وجہ سے ہانسی میں بھی شادابی ہو گئی تھی۔ سیرت میں لکھا ہے کہ شیخ قطب الدین منورؒ نے ایک بار سلطان سے کہا تھا: "از والد مرحوم شیخ جمال الدین (؟ برہان الدین) سماع دارم کہ بسبب ایں صاحب زماں خلد اللہ ملکہٗ در ریگ ہانسی لب آب رواں خواہد شد" اور یہ کہہ کر ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تھے۔ اور کہنے لگے تھے: افسوس! اس وقت میں موجود نہ ہونگا (ورق ۸۶) فیروز شاہ جس وقت شیخ نورالدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا یہ الفاظ اس کے ذہن میں گونج رہے تھے۔

Marfat.com

نے پوچھا: حصار فیروزہ میں قیام کا مجھے حکم دیا جا رہا ہے یا اس معاملہ میں مجھے اختیار ہے؟ فیروز نے جواب دیا: میں آپ کو حکم کیسے دے سکتا ہوں، یہ تو آپ کی مرضی پر منحصر ہے؟ شیخ نے فرمایا: مجھے یہاں ہانسی ہی میں رہنا ہے۔ یہ میرے باپ دادا کا وطن ہے اور شیخ فریدالدینؒ اور شیخ نظام الدینؒ نے اُن کے سپرد کیا ہے[1]

وحدت الوجودی فکر کے تین امام اور سلطان سے اُن کے تعلقات

شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ، مسعود بکؒ، اور میر سید امیر ماہؒ اس دور کی تین ممتاز شخصیتیں تھیں جن پر وحدت الوجود کا رنگ غالب تھا، اور جن کی زبان اور قلم نے چودھویں صدی میں ان خیالات کی اشاعت میں بڑا حصہ لیا تھا۔

شیخ شرف الدین یحییٰؒ کے مکتوبات ملک میں دور دور پہنچے تھے اور جذبات کی گہرائی، خیالات کی بلندی، اور انداز بیان کی گیرائی کے باعث مقبولیت عامہ حاصل کر لی تھی۔ عام طور پر تذکروں میں اُن کے اور فیروز شاہ کے درمیان گہرے روابط دکھائے گئے ہیں لیکن صورت حال اس کے بالکل برعکس معلوم ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیخ جس مکتب خیال سے تعلق رکھتے تھے اس کے کسی فرد کا سلطان سے اچھے تعلقات رکھنا ممکن نہ تھا۔ محمد بن تغلق نے شیخ کو جو جاگیر دی تھی وہ انہوں نے فیروز شاہ کے عہد میں واپس کر دی[2]۔ اُن کو سلطان کی مذہبی پالیسی سے اختلاف تھا اور احمد بہاری کے قتل پر (جس کی تفصیل آگے آئیگی) انہوں نے نہ صرف اپنی ناراضگی کا اظہار کیا تھا بلکہ دہلی کی تباہی اور بربادی کی پیشین گوئی کی تھی یہ خبر سلطان کے کانوں تک بھی پہنچ گئی اور اس نے شیخ کو دہلی طلب کیا۔ اسی اثنار میں سید جلال الدین بخاری المعروف بہ مخدوم جہانیاںؒ دہلی تشریف لے آئے تین دن تک سلطان کی اُن سے ملاقات نہ ہو سکی تو خادم سے مصروفیت کی نوعیت دریافت کی۔ پتہ چلا کہ مکتوبات منیری

[1] تاریخ فیروز شاہی، عفیف ص ۱۳۲-۱۳۳
[2] مکتوبات صدی بست و ہشت ص ۳۴۳، انڈیا آفس میں شیخ کے مکتوبات کا جو نسخہ ہے اس میں ایک خط فیروز شاہ کے نام بھی ہے۔

Marfat.com

کے مطالعہ میں ایسے مستغرق ہیں کہ دنیا و مافیہا کی خبر ہی نہیں رہی ہے۔ سلطان کو شیخ منیریؒ کی عظمت و بزرگی کا احساس ہوا اور جن لوگوں کو انہیں لانے کے لیے بھیجا تھا، واپس بلا لیا[1]۔ تذکرہ نویسوں نے اپنے مخصوص انداز میں یہ واقعہ اس طرح بیان کر دیا ہے۔ غالباً صورت یہ پیش آئی ہوگی کہ مخدوم جہانیاںؒ کی سفارش پر سلطان نے اُن کے خلاف کارروائی کا ارادہ ترک کر دیا ہوگا!

مسعود بکؒ[2] فیروز شاہ کے عزیز تھے۔ انہوں نے جاہ و ثروت کو ٹھکرا کر فقر و درویشی کی زندگی اختیار کر لی تھی۔ عشق حقیقی کی آگ ہر وقت اُن کے سینے میں سلگتی رہتی تھی اور اس کے شرارے کبھی کبھی شعر کی صورت میں نمودار ہوتے تھے۔ ان کے دیوان نور العینؒ[3] کا ایک ایک شعر اور ان کی مراۃ العارفینؒ[4] کی ایک ایک سطر اُن کے جذبے اور کیفیت کی غماز ہے۔ کتابوں میں فیروز شاہ سے اُن کے تعلقات کی تفصیل نہیں ملتی، لیکن محمد بولاقی کا بیان ہے:

"علمائے روزگار را باوے تفاوتے تمام بود اُن کے ہم عصر علماء کو ان سے بڑی عداوت تھی

چنانچہ بفتوئ ایشاں مثل حسین منصور بقتل آمد[5] چنانچہ ان کے فتوے پر حسین منصور کی طرح اُن کو قتل کر دیا گیا۔

---

[1] مرآۃ الاسرار (قلمی) ص ۶۹۷، مکتوبات بست و ہشت (اقتباس از مناقب الاصفیاء) ص ۳۴۶۔

[2] بک بخارا میں ایک مقام ہے جس کی نسبت سے وہ مسعود بک مشہور ہو گئے تھے۔ اصل نام شیر خاں تھا۔ شیخ رکن الدینؒ بن شہاب الدین اماںؒ سے بیعت تھے۔ چراغ دہلویؒ سے بھی عقیدت تھی۔ ایک شعر میں ان کے متعلق کہتے ہیں ؎ شاہنشاہے جہاں لطافت نصیر دیں ؛ کو داد حسن از رخ خود ایں دیار را
انہوں نے عین القضات ہمدانی کی تمہیدات پر حاشیہ لکھا تھا۔ مختصر حالات کے لیے ملاحظہ ہو اخبار الاخیار ص ۱۶۴-۱۶۷، گلزار ابرار (قلمی)، معارج الولایت (قلمی)

[3] قلمی نسخے برٹش میوزیم (فہرست ص ۶۳۲) اور دیگر کتب خانوں میں موجود ہیں۔ عرصہ ہوا یہ دیوان چھپا بھی تھا لیکن اب نایاب ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسعود بک کا دیوان اسی زمانہ میں خانقاہوں میں رائج ہو گیا تھا۔ (لطائف قدوسی ص ۹)

[4] چودہ کشف پر مشتمل ہے۔ پہلا کشف ہی کا عنوان ہے: فی بیان حقیقت الوجود"

[5] روضۂ اقطاب ص ۸۸، بعض تذکروں میں ان کا سنہ وصال ۷۱۳ھ دیا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو ان کی شہادت کی ذمہ داری فیروز پر نہیں ہے

Marfat.com

میر سید امیر ماہ[1] بہرائچ کے مشہور و معروف مشایخ طریقت میں تھے۔ سید علاء الدین المعروف بہ علی جاوری سے بعیت تھے۔ وحدت الوجود کے مختلف مسائل پر رسالہ مطلوب فی عشق المحبوب[2] لکھا تھا۔ فیروز شاہ جب بہرائچ گیا تھا تو اُن کی خدمت میں بھی حاضر ہوا اور

"ب یار صحبت نیک و گرم برآمد"[3]

فیروز شاہ کے ذہن میں مزار سے متعلق کچھ شبہات بھی تھے جن کو میر سید امیر ماہ نے رفع کیا۔ عبدالرحمٰن چشتی کا بیان ہے کہ اس ملاقات کے بعد فیروز شاہ کا دل دنیا کی طرف سے سرد پڑ گیا تھا اور اس نے "باقی عمر یاد الٰہی میں کاٹ دی"۔ یہ بیان مبالغہ آمیز ضرور ہے لیکن غلط نہیں۔ بہرائچ کے سفر کے بعد فیروز پر مذہبیت کا غلبہ ہو گیا تھا[4]

سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں اور سلطان فیروز

مخدوم جہانیاں جب سفر حجاز سے واپس آئے تو محمد بن تغلق کا انتقال ہو چکا تھا۔ فیروز سے اُن کے بہت جلد تعلقات قائم ہو گئے۔ عفیف نے لکھا ہے:

"میان ہر دو بزرگوار محبت و مودت از بطانہ چوں دوستان یگانہ بود"[5]

ان دونوں بزرگوں کے درمیان دوستان یگانہ کی سی محبت اور مودت تھی۔

عہد فیروزی میں وہ متعدد بار دہلی تشریف لائے۔ ۷۸۵ھ/۱۳۸۵ء میں انہوں نے آخری بار دہلی کا سفر کیا تھا۔ اس کے اگلے سال ان کا وصال ہو گیا۔ فیروز ہر مرتبہ اُن کا بہت گرم جوشی سے استقبال کرتا تھا، آخری بار تو اُس نے عقیدت اور نیاز مندی کا کوئی مظاہرہ باقی

---

[1] مختصر حالات کے لیے ملاحظہ ہو، مرأۃ الاسرار (قلمی)، ص ۶۹۲،
[2] اس رسالہ کا ایک قدیم نسخہ خاکسار کے پاس ہے۔ شروع اور آخر میں سلیمان جاہ کے کتب خانہ کی مہریں ہیں۔ ص ۲۲ پر انہوں نے سید علاء الدین سے اپنی ارادت کا ذکر کیا ہے۔
[3] مرأۃ الاسرار (قلمی)، ص ۶۹۲، عبدالرحمٰن چشتی نے اس ملاقات کا حال اپنی ایک اور تصنیف مرأۃ مسعودی میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ میرے پیش نظر مرأۃ مسعودی کا اردو ترجمہ ہے جو ۱۳۱۲ھ میں مطبع علوی میں چھپا تھا۔ [4] مرأۃ مسعودی (اردو ترجمہ)، ص ۹۹۔
[5] تاریخ فیروز شاہی، عفیف ص ۳۷۳۔ [6] تاریخ فیروز شاہی ص ۵۱۴

نہ چھوڑا تھا۔ دہلی میں وہ شاہی مہمان کی حیثیت سے کوشک فیروزآباد میں یا فتح خاں کے محل میں ٹھہرتے تھے[1] سلطان اُن سے ملاقات کے لیے خود اُن کی قیام گاہ پر جاتا تھا۔ اگر خود کبھی دربار میں تشریف لے آتے تھے تو سلطان کھڑے ہو کر اُن کا استقبال کرتا تھا اور بڑی عزت سے اپنے قریب بٹھاتا تھا۔ مخدومؒ کی قیام گاہ پر حاجتمندوں کا ایک ہجوم لگا رہتا تھا خادم اُن کی حاجتوں کو لکھتے رہتے تھے۔ جب سلطان ملاقات کے لیے آتا تو یہ فہرست اُس کے حوالہ کر دی جاتی تھی[2]۔ اور وہ ان لوگوں کی حاجت روائی کو اپنے لیے سعادت دارین سمجھتا تھا۔ ایک مرتبہ اُنہوں نے اوچھ سے دہلی کا سفر محض اس لیے کیا تھا کہ اُن کے ایک اُستاد کے لڑکے کو اپنی بہنوں کی شادی کے لیے روپیہ کی ضرورت تھی[3]۔ انہوں نے فیروز شاہ سے "خلیفۂ خانقاہ" اور "انعامات" جو قبول کیے تھے اُن کا مقصد بقول اُن کے بندگانِ خدا کو فائدہ پہنچانا تھا "نہ از جہت دفن و نگاہ داشتن"[4]

سندھ میں مخدوم جہانیاںؒ کا بہت اثر تھا۔ سلطان نے اُن کی روحانی عظمت اور رسوخ سے پورا فائدہ اُٹھایا۔ اس زمانہ میں جام جونا اور بن بہنیا مغلوں سے ساز باز کر کے گجرات اور پنجاب کی سرحدوں پر شورشیں پیدا کر رہے تھے۔ مخدومؒ نے اس معاملہ میں پڑ کر سلطان سے دونوں کو معافی دلائی لیکن یہ دونوں اپنے وعدہ پر قائم نہ رہے اور پھر ہنگامہ آرائی شروع کر دی تو عین الملک ماہرو نے ایک پروانہ میں انہیں تنبیہ کی:

"شیخ الاسلام قدوۃ الانام صدر الحق والشرع والدین . . . وسید جلال الدین بخاری . . . درمیان آوردہ بودند و چناں عرضداشت محمول کردند کہ ولایتے کہ در تصرف داریم ہمہ وقت در وجہ چشم ہا و خدمت ہا دریں دیار مصرف می رسد . . . چوں شیخ الاسلام و سید جلال الدین مخصوص اند، بر مبنا حسن ظن کلمات مموہ

---

[1] تاریخ فیروز شاہی عفیف ص ۵۱۴ [2] ایضاً ص ۵۱۵
[3] ملفوظات قطب عالم (قلمی) ورق ۱۲۹۔ [4] ایضاً ورق ۹۵

Marfat.com

ایشاں را راست پنداشتند . . . بہ عزا جابت مقرون گردانید و بامن و امان اختصاص داد"[1]

جب فیروز دوسری بار تتہ گیا تو جام جونا اور بن بھینا کو خطرہ پیدا ہوا۔ ایک قاصد بھیج کر مخدومؒ کو بلوایا اور اُن سے سفارش کی درخواست کی سلطان نے پھر اُن کو معاف کر دیا۔ مخدوم کا عوام اور زمینداروں پر اس قدر اثر تھا کہ عین الملک جیسے گورنر کو بھی خراج کی وصولی میں ان کی مدد لینی پڑتی تھی[2]

مخدوم جہانیاں سلطان سے اتنا گہرا تعلق رکھنے کے باوجود نہایت جرأت کے ساتھ اس کے اعمال پر تنقید بھی کر دیا کرتے تھے اور سلطنت کو ملک عضوض کا درجہ دیتے تھے[3] ایک مرتبہ ایک شخص نے سوال کیا کہ۔

طعام و شراب ملوکِ ایں زمانہ خوردن شاید یا نے ؟

اس زمانہ کے بادشاہوں کا کھانا کھانا چاہیے یا نہیں ؟

تو جواب میں فرمایا :

"در فتاوائے خانی مذکور است کہ مکروہ است طعام ملوک و سلاطین خوردن، سبب آنکہ اغلب وجہات ایشاں را امروز از مال ظلم و تعدی است۔ چنانکہ مال دلالت بازارہا و مال جزاری، و مال امیر مطربی، و مال جگری غلہ، مال حاصل کیالان، و مال جبہ ستدن[4]، و مال خماران

فتاوائے خانی میں لکھا ہے کہ ملوک و سلاطین کا کھانا کھانا مکروہ ہے۔ سبب یہ ہے کہ اُن کے بیشتر محاصل اس زمانہ میں ظلم و تعدی سے حاصل کیے ہوئے مال پر مشتمل ہیں جیسے مال دلالت بازارہا، اور مال جزاری، مال امیر مطربی، مال جگری غلہ، مال حاصل کیالان، مال جبہ ستدن، و مال خماران،

[1] منشات ماہرو ص ۱۶۰-۱۶۱ [2] ایضاً ص ۴۷ [3] ملفوظات قطب عالم (قلمی) ورق ۱۶
[4] حاشیہ پر اس طرح تشریح کی گئی ہے : "جبہ بر پیشانی زدن و نزد آب آمدن"

Marfat.com

ومال بگنی گراں ستدن، مال ماہی فروشاں ومال سبزہ وترہ فروشاں، ومال لمبرہ یعنی اخراجات، نسبت وقسمت، مال صابون گراں ستدن، ومال مصادرہ فروشاں، ومال گل فروشاں ومال جزائی و مال مردہ ستدن ومال غلیبہ از دیگراں ستدن[1] باتفاق علماء دین اسلام ایں اموال حرام است بغیر اختلاف و برملوک زمانہ اکثر ایں وجوہات است، ازاں سبب طعام وشراب ایشاں خوردن حرام است[2]

مال بگنی گراں، مال ماہی فروشاں، مال سبزہ وترہ فروشاں، مال لمبرہ یعنی اخراجات، نسبت وقسمت، مال صابون گراں، مال مصادرہ فروشاں، مال گل فروشاں، مال جزائی، مال مردہ، مال حوالہ ——

علماء دین اسلام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ مال حرام ہیں۔ اور چونکہ آج کل کے بادشاہوں کے محاصل بیشتر انہی پر مشتمل ہیں اس لیے ان کا کھانا کھانا حرام ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان پر ان خیالات کا بہت گہرا اثر پڑا۔ اس نے جو ٹیکس معاف کیے تھے اُن میں بیشتر وہی تھے جن کی طرف مخدوم جہانیانؒ نے اشارہ کیا ہے

علماء سے تعلقات اور نظام حکومت پر اُن کا اثر

فیروز شاہ نے مذہبی طبقہ بالخصوص علماء پر انعام واکرام کی بارش کی۔ اس طرح محمد بن تغلق کے لگائے ہوئے زخموں پر اُس نے نہ صرف مرہم رکھ دیا بلکہ ایک ایسے طبقہ کی ہمدردیاں اور معاونت بھی حاصل کرلی جس کی شورشوں سے گزشتہ عہد میں پورے ملک کی فضا خراب ہوگئی تھی۔ فیروز نے علماء، مدرسوں، مفتیوں، مذکروں، حافظوں، ارباب مساجد اور آستانہ داروں کو لاکھوں کی تعداد میں ادرار اور وظائف تقسیم کیے[3]۔ وہ لوگ جو کبھی نان شبینہ کو محتاج تھے آرام وآسائش کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے۔ وظائف کی رقموں میں کئی کئی گنا اضافہ کردیا گیا۔ اور بقول برنی

---

[1] حاشیہ پر لکھا ہے: حوالہ بگذار۔

[2] ملفوظات قطب عالم (قلمی)، ورق ۳۳۔

[3] تاریخ فیروز شاہی برنی، ص ۵۵۹۔

"وبیشترے از طوائف مذکور کہ کفش درست
نداشتند از مراحم سلطان فیروز شاہی
جامہائے لطیف می پوشند و بر اسپان
چیدہ سوار می شوند و بیشتر در علوم دین
وتعلم احکام شرع مشغول می باشند"[۱]

اس طبقہ کے بہت سے ایسے لوگ جن کے پاس
ٹھیک جوتیاں بھی نہ تھیں، سلطان فیروز شاہ
کی بخششوں سے ایسے متمول ہو گئے کہ نہایت
اعلیٰ کپڑے پہننے لگے، عمدہ گھوڑوں پر چڑھنے لگے
اور ان میں سے اکثر آج کل علوم دین اور احکام
شرع کی تعلیم میں مصروف رہتے ہیں۔

عفیف کا اندازہ ہے کہ اس طرح چھتیس لاکھ تنکے کے وظائف اور صد لک تنکہ قیمت کی زمین اہل فقرا اور مساکین کو دی گئی تھی[۲]۔ وظائف کی تعداد اور رقمیں بڑھ جانے کے ساتھ دیوانِ رسالت کی (جو ان وظائف کو تقسیم کرتا تھا) اہمیت میں بھی اضافہ ہو گیا۔ علاوہ ازیں دیوان قضا، کی اہمیت اور اختیارات بھی وسیع ہو گئے۔ یہی دو محکمے ایسے تھے جن میں بیشتر علما ہی ملازم تھے۔ دیوان قضا، دیوان شرع کے نام سے مشہور ہو گیا[۳]۔ اور سلطان نے سید جلال الدین کرمانی کو جو صدر جہاں تھے پورے اختیارات تفویض کر دیے۔ برنی نے لکھا ہے:

"اورا در امورا حکام شرع محمدی کلاً
وجملہ مطلق العنان گرداند و تعین
ادرارات وانعامات جماہیر علما ردار
الملک وتمامی بلاد ممالک بصدر صدور
جہاں مفوض گشتہ"[۴]

ان کو احکام شرع محمدی کے جملہ معاملات میں
کلیتاً مطلق العنان بنا دیا۔ دہلی اور تمام ملک
کے علما کے ادرارات اور انعامات کا کام صدر
صدور جہاں کے سپرد کر دیا گیا۔

شیخ صدر الدین نبیرہ شیخ بہاء الدین زکریاؒ کو شیخ الاسلام بنایا گیا اور ان کے ساتھ بڑی عزت اور احترام کا برتاؤ کیا گیا۔ ایک دن انہوں نے ایک سلسلہ میں سلطان کے احسانات کا ذکر

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی، برنی ص ۵۵۹۔ [۲] تاریخ فیروز شاہی ص ۱۷۹۔
[۳] سیرت فیروز شاہی، ورق ۶۰۔ [۴] تاریخ فیروز شاہی ص ۵۸۰

Marfat.com

کیا تو فیروز کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور کہنے لگا:

"شیخ الاسلام چنانچہ دیدی ازاں سلاطین	شیخ الاسلام تم نے دیکھا کہ اُن سلاطین ماضیہ
ماضیہ انار اللہ برہانہم کس نماند جز چند	میں سے کوئی چند روز سے زیادہ باقی نہ رہا
روز۔ ما نیز ازیں جہاں رخت برنبدیم"	ہم بھی اس جہان سے سفر آخرت کرینگے۔
چوں بزم ما بینی خالی زما بگوئی	چوں بزم ما بینی خالی زما بگوئی
روزے دریں محلت غوغا زدے حسابی[1]	روزے دریں محلت غوغا زدے حسابی

فیروز شاہ کے عہد میں علماء و مشائخ کے عروج اور اقتدار کو دیکھتے ہوئے بعض مصنفین نے اس کی حکومت کو مذہبی حکومت قرار دیا ہے لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں یہ حقیقت واضح ہونی چاہیے کہ جہاں تک نظام حکومت کی باگ ڈور کا تعلق تھا وہ قطعی طور پر اُن لوگوں کے ہاتھ میں تھی جو طبقہ علماء سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ اس عہد کے عمال و حکام کی فہرستوں[2] پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ خواجہ حسام الدین جنیدی[3] اور سید الحجاب خواجہ معروف[4] کے علاوہ علماء کے طبقہ سے متعلق کوئی شخص نظام حکومت سے وابستہ نہیں تھا لیکن علماء و مشائخ عوام پر اپنے اثر اور سلطان کے مذہبی رجحانات سے فائدہ اُٹھا کر سیاست میں دخیل ہو گئے تھے۔ عین الملک کو مختلف انتظامی معاملات میں علماء و مشائخ کی مدد لینی پڑتی تھی[5]۔ خود فیروز شاہ نے سندھ کے حالات کو قابو میں لانے کے لیے مخدوم جہانیاںؒ کے اثر اور رسوخ سے فائدہ اُٹھایا تھا۔ بعض اوقات عمال حکومت علماء و مشائخ کی

---

[1] تاریخ فیروز شاہی عفیف ص ۹۸۔ [2] مثلاً ملاحظہ ہو تاریخ فیروز شاہی، برنی ص ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ عفیف کی کتاب میں بھی اس عہد کے عمال و حکام کے حالات منتشر طور پر ملتے ہیں۔

[3] خواجہ حسام الدین جنیدی، شیخ رکن الدین ملتانیؒ کا مرید تھا۔ عفیف نے اس کو "مرد صالح و متقی و متدین و امین و راستکار و خوش گفتار و نیک رفتار و احسن کردار" لکھا ہے۔ تفصیل کے لیے تاریخ فیروز شاہی ص ۴۷۰-۴۷۱۔ ملاحظہ ہو۔ [4] خواجہ معروف، شیخ نظام الدین اولیاءؒ کا مرید تھا۔ حالات کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ فیروز شاہی از عفیف ص ۴۴۵-۴۵۱۔

[5] منشات ماہرو۔ مکتوب ۲۰-۲۱-۲۲-۲۵-۳۱ وغیرہ

سفارشوں کو نظرانداز کرنے کی کوشش بھی کرتے تھے، لیکن اس میں اُن کو کامیابی نہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ ایک نویسندہ کے بیٹے کو خاں جہاں نے قید کردیا۔ مخدوم جہانیاںؒ نے خان جہاں سے سفارش کی، لیکن اس نے رہا کرنے سے انکار کیا۔ مخدوم اُنیس بار اس سلسلہ میں خان جہاں کے پاس گئے۔ بالآخر مجبور ہوکر اُس نے رہائی کا حکم دے دیا[1]۔

فیروز شاہ نے جو غیر شرعی ٹیکس معاف کیے تھے اس میں یقیناً مخدوم جہانیاںؒ کا بھی دخل تھا۔ عفیف نے لکھا ہے کہ "علماء و مشائخ بلاد" نے فیروز کو ان ٹیکسوں کے معاف کردینے کا مشورہ دیا تھا[2]۔ سلطان نے اپنی فتوحات میں جن لوگوں کے قتل کا ذکر کیا ہے وہاں یہ بھی بتایا ہے کہ اس معاملہ میں اس نے علماء کی رائے پر عمل کیا تھا۔

مالی نظام اور شریعت

فیروز شاہ نے مالی نظام کو شریعت کے مطابق ترتیب دینے کی کوشش کی اور حکم دیا کہ

"مالے کہ در بیت المال جمع آید ہماں وجوہات باشد کہ در شرع مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آمدہ است وکتب دینیہ بران ناطق است... وجہے کہ جمع کردن آں بہ حکم کتاب درست نباشد، بہ ہیچ وجہ در بیت المال جمع نہ کنند"[3]

جو روپیہ بیت المال میں جمع کیا جائے انہی محاصل سے آیا ہو جو شریعت محمدی میں جائز قرار دیے گئے ہیں اور دینی کتابیں جن کی تصدیق کرتی ہیں.... جن ٹیکسوں کا وصول کرنا قرآن کے مطابق نہ ہو ان کو کسی صورت میں بھی بیت المال میں جمع نہ کیا جائے۔

اس حکم کے ماتحت مندرجہ ذیل ٹیکس[4] معاف کردیے گئے:

---

[1] سیر العارفین ص ۱۵۷۔ [2] تاریخ فیروز شاہی ص ۳۷۴-۳۷۵-۳۷۷

[3] فتوحات فیروز شاہی ص ۶۔

[4] یہ فہرست فتوحات فیروز شاہی، (ص ۵) سیرت فیروز شاہی (ورق ۶۱) اور تاریخ فیروز شاہی عفیف (ص ۳۷۵-۳۷۶) کی بنیاد پر تیار کی گئی ہے۔

Marfat.com

(۱) منڈی برگ[1] : منڈی کا ٹیکس
(۲) دلالت بازارہا : دلالوں پر ٹیکس
(۳) جزاری[2] : قصائیوں پر ٹیکس
(۴) امیری طرب : تماشوں اور ملاح رنگ پر ٹیکس
(۵) گل فروشی : پھولوں کی فروخت پر ٹیکس
(۶) ضریبہ تنبول[3] : پان پر ٹیکس
(۷) چنگی غلہ[4] : غلہ پر چنگی۔
(۸) کیالی[5] : تولنے والوں پر ٹیکس
(۹) نیل گری[6] : رنگ بنانے پر ٹیکس
(۱۰) ماہی فروشی[7] : مچھلی بیچنے پر ٹیکس
(۱۱) نذافی : دھنے پر ٹیکس
(۱۲) صابون گری : صابون بنانے پر ٹیکس
(۱۳) ریسماں فروشی[8] : رسّی اور ڈوریوں کے بنانے پر ٹیکس۔
(۱۴) روغن گری : تیل نکالنے پر ٹیکس
(۱۵) نخود بریاں[9] : بھنے ہوئے چنوں پر ٹیکس

---

[1] سیرت میں "منڈہ ترک" دیا ہے (ورق ۹۱)۔ شیخ عبدالرشید نے اس کو ترکاری پر اور رائے نے پانوں پر ٹیکس بتایا ہے۔ قریشی نے حکومت کی منڈی میں فروخت ہونے والے غلے پر قرار دیا ہے۔ مہدی حسین اور ایشوری پرشاد نے منڈی کا ٹیکس قرار دیا ہے۔ سیرت میں چونکہ خضراوات (سبزی) پر ایک ٹیکس کا ذکر آیا ہے اس لیے یہ ٹیکس سبزی پر نہیں ہو سکتا۔

[2] حنیف نے اس طرح تشریح کی ہے: "چوں قصابے مادہ گاوے ذبح کند در ہر سرے دوازدہ جیتل بدہد" ص ۲۰۵

---

[3] سیرت میں اور برٹش میوزیم کے نسخہ رقعات میں 'ضریبہ تنبول' دیا ہوا ہے۔ شیخ عبدالرشید اور چغتائی نے 'جزیہ تنبول' دیا ہے۔

[4] سیرت میں "چنگری غلہ" اور ملفوظات مخدوم جہانیاں میں "مال جکری غلہ" دیا ہے۔

[5] قریشی، شیخ عبدالرشید، مہدی حسین اور ایشوری پرشاد نے اسے "کتابی" پڑھا ہے اور عرائض نویسوں اور کتابوں پر ٹیکس قرار دیا ہے۔ ہمارے خیال میں یہ لفظ کیالی ہے۔ (کیال بمعنی ناپنے تولنے والا)۔ سیرت میں بھی یہ لفظ کیالی دیا ہوا ہے۔ غلطی سے "کتابی" یا "کہابی" پڑھ لیا گیا ہے۔ ہمارے خیال کی تائید ملفوظات مخدوم جہانیاں سے بھی ہوتی ہے

[6] رائے نے "تیل گری" پڑھا ہے۔ چغتائی نے اس سے مراد وہ مسالہ لیا ہے جو عمارتوں کی تعمیر میں استعمال ہوتا ہے۔ [7] سرور الصدور سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں اس پیشہ میں کوئی بانت نہ رہی تھی: "ازیں کار رہایش نیست" (قلمی نسخہ ص ۳۹)

[8] ایشوری پرشاد نے "ریشماں فروشی" پڑھا ہے اور اس کے معنی سلک بیچنے پر ٹیکس بتائے ہیں جو صحیح نہیں۔ [9] سیرت میں "نخود بریاں گری" دیا ہوا ہے۔

Marfat.com

(۱۶) تہ بازاری : خوانچہ والوں پر ٹیکس
(۱۸) قمارخانہ : جوئے خانوں پر ٹیکس
(۲۰) کوتوالی : پولیس سے متعلق فیس
(۲۲) قصابی[۲] : قصابوں پر ٹیکس
(۲۴) کرہی[۳] : دیہات کے مکانوں پر ٹیکس
(۲۵) چرائی[۴] : چرانے پر ٹیکس
(۲۷) خضراوات : ترکاری پر ٹیکس
(۲۹) مستغل : دہلی کے مکانوں اور دکانوں پر ٹیکس۔

(۱۷) چھتہ[۱] : چھتہ پر ٹیکس
(۱۸) دادبیگی : کورٹ فیس
(۲۱) احتسابی : محکمہ احتساب سے متعلق فیس
(۲۳) کوزہ وخشت پزی : اینٹیں اور مٹی کے برتن بنانے پر ٹیکس
(۲۶) مصادرات[۵] : جرمانے
(۲۸) دانگانہ[۶]

اورنگ زیب کے عہد کے ایک ہندو مورخ نے ان ٹیکسوں کے علاوہ بھی کئی اور ٹیکسوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ پوری عبارت قابل غور ہے۔ لکھتا ہے:

"وازاخذ محصول مثل گل فروشی ونیل گری وماہی فروشی وندافی ورسیماں فروشی ونخودبریاں گری ودکانانہ وقمارخانہ وداد بیگی، وکوتوالی وقصابانہ وطوفانہ، و

---

[۱] قریشی اور ایشوری پرشاد نے اسے "چھپہ" پڑھا ہے۔ قریشی نے اس سے مراد چھپا ہوا کپڑا لیا ہے۔ سیرت میں یہ لفظ "حبہ" دیا ہوا ہے۔ کیا اسے ملفوظات مخدوم جہانیاں کا "حبہ" پڑھا جا سکتا ہے؟

[۲] قصابی اور جزاری میں غالباً یہ فرق تھا کہ 'جزاری' صرف گائے پر لیا جاتا تھا اور 'قصابی' عام ٹیکس تھا جو جانوروں کے کاٹنے پر لیا جاتا تھا۔

[۳] کرہی کو گڑھی بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ قریشی نے چرائی اور کرہی کو ایک ہی چیز قرار دیا ہے۔ مزید تحقیق کے لیے ملاحظہ ہو: تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۲۸۷-۲۸۸۔ تاریخ مبارک شاہی ص ۱۰۲۔

[۴] علاء الدین خلجی کا حکم تھا: "از گاؤمیش یا گوسپند ہر چہ شیر آور بود چرائی بستانند" برنی ص ۲۸۷۔

[۵] سیرت میں کوزہ وخشت پزی اور مصادرات کا ذکر نہیں ہے۔ ان کی جگہ 'خضراوات' اور 'دانگانہ' کا ذکر ہے۔ دانگانہ کا ذکر عفیف نے بھی کیا ہے۔

[۶] عفیف لکھتا ہے: "آں مقدار قماش کہ در سرائے عدل زکوٰۃ شود از قسم نصاب وغیر نصاب بعد از فارغ شدن وستدن مال زکوٰۃ آں تمام اقماش در خزینہ می آورند واز سر وزن می کنند ودر تنکہ یک دانگ می ستدند" ص ۳۷۵۔

[۷] اس ٹیکس کا ذکر صرف عفیف نے کیا ہے۔

Marfat.com

بنگاه، و دہریچہ و تولد پسر و جوار و نیشکر و روغن گراں و پزاوہ خشت، و شیر و جغرات و کاہ چرائی و ترازو کشی و فروعی و شکرانہ و جرمانہ و سازندہا کہ روز شادی بخانہ مردم میروند و خرید و فروخت زمین و ظروف سفالی و کولہ استخوان ہندوان کہ بگنگ می برند و غیر ذلک کہ باعث آزار عامہ برایا ست اجتناب داشت"[1]

ان محاصل کے معاف ہو جانے سے حکومت کو کافی مالی نقصان ہوا[2]۔ علاوہ ازیں جو محاصل باقی رہے اُن کی شرعی نوعیت کو متعین کیا گیا۔ مال غنیمت کے سلسلہ میں "یہ رسم و عادت تھی کہ چار حصے دیوان میں چلے جاتے تھے، ایک حصہ "خانمان" میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ فیروز نے شرعی تناسب قائم کر دیا[3]

فیروز شاہ کے زمانہ میں جو محاصل وصول کیے جاتے تھے وہ یہ تھے:۔

خراج اراضی، عشور، زکوٰۃ، جزیہ ہنود، ترکات، خمس غنائم و معادن[4]۔ فیروز شاہ نے نہروں کے بنوانے میں کافی روپیہ صرف کیا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے سارے ملک کے مشہور علماء اور مشائخ کو جمع کیا اور اُن سے فتویٰ طلب کیا کہ شرعاً وہ اس سلسلہ میں کوئی ٹیکس عائد کر سکتا ہے علماء نے فیصلہ کیا کہ اُسے حق شرب وصول کرنے کا اختیار ہے[5]۔ چنانچہ یہ ٹیکس وصول کیا جانے لگا۔

شیعوں کے ساتھ برتاؤ

مخدوم جہانیاںؒ نے اپنے ملفوظات میں مسلمانوں کے ان چھ گروہوں کو باطل قرار دیا ہے: روافضیہ، خارجیہ، جبریہ، قدریہ، جہمیہ، اور مرجیہ[6] اور پھر اُن کے عقائد سے تفصیلی بحث کی ہے۔ روافضیہ کے بارہ فرقے بتائے ہیں، جن میں سے ایک فرقہ تبریعیہ

---

[1] خلاصۃ التواریخ ص ۲۴۹، نیز ملاحظہ ہو زبدۃ التواریخ ورق ۴۶۔

[2] عفیف کا خیال ہے کہ اس طرح حکومت کو تقریباً بیس لاکھ ٹنکے کا نقصان ہوا تھا۔

[3] فتوحات فیروز شاہی ص ۵، نیز سیرت فیروز شاہی ورق ۶۲۔ [4] فتوحات فیروز شاہی ص ۶۔

[5] تاریخ فیروز شاہی عفیف ص ۱۲۹-۱۳۰ [6] ملفوظات قطب عالم (قلمی) ورق ۱۶۳،
سیرت فیروز شاہی (ورق ۶۳-۶۶) میں بھی مختلف مذہبی فرقوں سے تفصیل بحث کی گئی ہے۔

Marfat.com

کے متعلق یہ لکھا ہے کہ وہ بادشاہ اور امام کے خلاف جنگ کرنا جائز سمجھتے ہیں[1]۔ خارجیہ کے ایک فرقہ خازہیہ کے متعلق لکھا ہے کہ —

"یکے عورت را نکاح کند، ہرگرا شہوت آید با او مجامعت کند، منع نیست"[2]

غالباً اسی قسم کے عقائد کے خطرناک دینی، سماجی اور سیاسی نتائج کا احساس کرتے ہوئے فیروز شاہ نے اپنے عہد کے بعض شیعہ فرقوں کو سزائیں دی تھیں۔ ورنہ جہاں تک اہلِ بیت سے عقیدت کا تعلق تھا اس کا حال بقول برنی یہ تھا کہ

"در اخلاص اہل بیت رسول رب العالمین و در محبت خاندان خاتم النبیین گوئے سبقت از بادشاہان ربع مسکوں ربودہ"[3]

اہل بیت سے اخلاص اور خاندان نبوی سے محبت میں وہ ربع مسکوں کے بادشاہوں سے بازی لے گیا تھا۔

فتوحات میں لکھتا ہے:۔

"شیعی مذہباں کہ ایشاں را روافض می گویند، بہ مذہب رفض و شیعہ مردم را دعوت می کردند در رسالہ ہا و کتابہا دریں مذہب پرداختہ و تعلیم و تدریس پیشہ ساختہ بودند۔ و جناب خلفائے راشدین و ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ و جمیع صوفیہ کبار رضی اللہ عنہم را"

شیعہ مذہب کے لوگ جنہیں رافضی کہتے ہیں، لوگوں کو رفض اور شیعہ مذہب اختیار کرنے کی دعوت دیتے تھے۔ اور اس مذہب سے متعلق کتابیں اور رسالے لکھ کر اس کی ترویج و تبلیغ کرتے تھے اور خلفائے راشدین اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور تمام صوفیائے کرام کو علانیہ برا بھلا کہتے تھے۔ نواطت کا

---

[1] ملفوظات قطب عالم (قلمی) ورق ۱۶۳-۱۶۴۔ [2] ایضاً ورق ۱۶۵

[3] تاریخ فیروز شاہی ص ۵۸۰ [4] سیرت فیروز شاہی (ورق ۶۳) میں لکھا ہے کہ یہ لوگ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے پتلے بنا کر ان کی بے حرمتی کرتے تھے۔ سیرت کے مصنف نے لکھا ہے کہ ان حرکتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ "تعصب دینی بر جبین ہمایوں ظاہر شد" اور فیروز شاہ نے حکم دیا کہ: "در مملکت ہند جز اہل سنت و جماعت ہیچ دیگر مذاہب مختلفہ نیست۔ و آنکہ مشرکان ہند اند ... باخذ جزیہ ایشاں را رہا می کنیم"۔

سبِ صریح وشتم قبیح می گفتند و الملحات
می کردند و قرآن مجید را "ملحقات عثمانی"
می خواندند۔ ہمہ را گرفتیم و برایشاں
ضلال و اضلال ثابت شد۔ غالیاں
را سیاست فرمودیم و دیگراں بہ تعزیر و
تہدید و تشہیر زجر کردیم و کتابہایشاں
را در ملاء عام بسوختیم تا شرِ آں طائفہ
بہ عنایت ربانی بہ کلی مندفع شد[1]

ارتکاب کرتے تھے اور قرآن مجید کو "ملحقات عثمانی"
کہتے تھے ہم نے ان سب کو گرفتار کرالیا اور
جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ خود بھی گمراہی میں
مبتلا ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں تو
ہم نے ان لوگوں کو جو کٹر تھے قتل کرا دیا اور
باقی لوگوں کو سزا، تاکید و تشہیر کے ذریعہ تنبیہ
کی اور ان کی کتابوں کو شارع عام پر جلا دیا
یہاں تک کہ خدا کے فضل سے اس فرقہ کا
فتنہ بالکل دفع ہو گیا۔

انا الحق کی صدائیں اور فیروز شاہ کا ردعمل فیروز شاہ کے عہد میں دہلی اور گجرات سے انا الحق کی دو صدائیں اُٹھیں جو حقیقت میں وحدت الوجود کے پیدا کیے ہوئے ذہنی موسم کی پیداوار تھیں۔ فیروز شاہ کا بیان ہے کہ بہار کا احمد نامی ایک باشندہ دہلی میں آکر بس گیا تھا۔ معتقدین کا ایک گروہ اس کے گرد جمع ہو گیا اور اس کو "خدا" کہنے لگا۔ اس کا ایک مرید کہا کرتا تھا کہ "دہلی میں خدا طلوع ہوا ہے"۔ علاوہ ازیں احمد بہاری پر ستِ نبی کا بھی الزام تھا۔ فیروز نے ان لوگوں کو پا بہ زنجیر بلوایا۔ احمد بہاری اور اس کے مرید خاص کو قتل کرا دیا اور باقی لوگوں کو ادھر اُدھر منتشر کر دیا[2]

فیروز نے جس طرح اس واقعہ کو پیش کیا ہے اس سے پوری نوعیت واضح نہیں ہوتی۔ مناقب الاصفیاء سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ وحدت الوجودی فکر کو روکنے کے سلسلہ میں پیش آیا تھا۔ اور بعض حلقوں میں اس پر ناراضگی کا اظہار بھی کیا گیا تھا۔

احمد بہاری شیخ شرف الدین یحییٰ منیری سے گہرا تعلق خاطر رکھتے تھے۔ گو دیوانہ مشکل تھا

[1] فتوحات فیروز شاہی ص ۶ ، [2] ایضاً ص ۷۔

Marfat.com

لیکن توحید کے اسرار و رموز پر بڑی نظر تھی۔ شیخ منیریؒ سے اکثر ان کی اس موضوع پر گفتگو رہتی تھی بعض اوقات عالم دیوانگی میں ایسی باتیں زبان پر لے آتے تھے جو عام لوگوں کی سمجھ سے باہر ہوتی تھیں۔ اُن کے ایک دوست شیخ عزکاکہ کے رہنے والے تھے۔ ان کی گو شیخ منیریؒ سے ملاقات نہیں ہوئی تھی لیکن خط و کتابت کا رشتہ رکھتے تھے۔ شیخ نے اُن کو جو خطوط لکھے تھے وہ "اجوبہ کاکوی" کے نام سے مشہور ہیں۔ احمد بہاری اور شیخ کاکوی دونوں فیروز شاہ کے عہد میں دہلی آئے اور یہاں

"در توحید سخنہائے فراخ و شطح گفتند"

دہلی کے علماء نے سلطان سے شکایت کی۔ اس نے محضر ترتیب دیا اور اکابر شہر کو جمع کیا سب علماء نے اُن کے قتل کا فتویٰ دیا۔ شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کو جب اُن کے قتل کی اطلاع ملی تو فرمایا:

"در شہرے کہ خون ایں چنیں بزرگاں — جس شہر میں ایسے بزرگوں کا خون بہایا
ریختہ شود عجب بود اگر آں شہر آباداں بماند" — جائے تعجب ہی ہے اگر وہ آباد رہے۔

صاحب مناقب الاصفیاء کا کہنا ہے کہ یہی وجہ تھی کہ فیروز شاہ کے زمانہ میں ہی خرابی کے آثار پیدا ہو گئے اور اس کے بعد تو تیمور کے ہاتھوں دہلی کی خوب بربادی ہوئی[1]

اسی زمانہ میں عین الملک ماہرو کے ایک غلام نے گجرات میں سجادہ مشیخت بچھا دیا تھا اور مریدین کا ایک حلقہ اپنے گرد جمع کر لیا تھا۔ وہ خود "انا الحق" کہتا تھا اور اس کے مریدین "توئی، توئی" کہہ کر اس کی تصدیق کرتے تھے۔ اس نے اپنے افکار کی تشریح میں ایک رسالہ بھی لکھا تھا۔ فیروز نے اس کو قتل کرایا اور اس کے رسالہ کو جلا دینے کا حکم دیا[2]

نواہون کا قتل | احمد بہاری کا قتل اگر وحدت الوجود کے خیالات کو رد کرنے کی کوشش تھی تو نواہون کا قتل بھگتی تحریک کے خلاف صدائے احتجاج تھی جس زمانہ میں مخدوم جہانیاںؒ

[1] مکتوبات بست و ہشت ص ۳۴۶، ۳۴۷ — [2] فتوحات فیروز شاہی ص ۸۔

Marfat.com

مرض الموت میں مبتلا تھے، اوچھ کا ہندو داروغہ نواہوں ان کی عیادت کو آیا اور کہنے لگا:

"خدائے تعالیٰ حضرت مخدوم را صحت دہد ذات پاک مخدوم ختم اولیاست چنانکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ختم انبیا بود"[1]

خدا تعالیٰ حضرت مخدوم کو صحت عطا فرمائے مخدوم کی ذات ختم اولیا ہے جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ختم انبیا تھی۔

مخدوم جہانیاںؒ اور اُن کے بھائی شیخ صدرالدین راجو قتالؒ نے اس بیان کی بنیاد پر نواہون سے مطالبہ کیا کہ وہ اسلام قبول کر لینے کا صاف طور پر اعلان کرے۔ نواہوں نے انکار کیا تو اس پر مرتد ہو جانے کا الزام لگایا۔ نواہوں بھاگ کر دہلی پہنچ گیا۔ اسی اثنا میں مخدوم جہانیاں کا انتقال ہو گیا۔ سیوم کے بعد راجو قتالؒ گواہوں کو ساتھ لے کر دہلی پہنچے اور گو بعض علماء نے اُن کے نقطۂ خیال کی تائید نہیں کی لیکن اُنہوں نے فیروز کو مجبور کر کے نواہون کو ارتداد کی سزا میں قتل کرا دیا[2]۔

رکن الدین کا قتل | دہلی کے ایک باشندہ رکن الدین نے اعلان کیا کہ —

"مہدی آخرالزماں منم و مرا علم لدنی حاصل شدہ است من از پیش کسے تعلیم و استفادہ نکردہ ام، و اسمائے جمیع مخلوقات کہ از آں جز آدم صی علیہ السلام ہیچ پیغمبرے را علم نبودہ است مرا معلوم شدہ است، و اسرار علم حروف کہ بر ہیچ کس مکشوف نبود بر من کشف گردیدہ"[3]

مہدی آخرالزماں میں ہوں اور مجھ کو علم سینہ حاصل ہو گیا ہے میں نے کسی سے تعلیم و فیض حاصل نہیں کیا۔ اور مجھ کو تمام مخلوقات کے ناموں کا علم ہے جس کو سوائے آدم علیہ السلام کے کوئی پیغمبر نہیں جانتا تھا، اور علم حروف کے وہ راز جو کسی کو معلوم نہیں مجھ پر ظاہر کر دیے گئے ہیں۔

اس نے ان خیالات کی توضیح میں کتابیں بھی لکھی تھیں، اور لوگوں کو دعوت دی تھی کہ اُسے پیغمبر تسلیم کر لیں۔ علماء نے فیروز کی توجہ اس فتنہ کے خطرناک اثرات کی طرف دلائی۔ چنانچہ

---

[1] سیر العارفین ص ۱۵۹۔ [2] ایضاً ص ۱۶۰ [3] فتوحات فیروز شاہی ص ۸۰۷

اُس نے رکن الدین کو معہ اس کے ساتھیوں اور معتقدین کے اس طرح ختم کیا کہ۔

"خاص و عام خلق درآمدہ و گوشت و پوست واعضائے او را پارہ پارہ کردند" [1]

سب خاص و عام جمع ہو گئے اور اس کے گوشت، کھال اور جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

اباحتی فرقہ کو سزا

فیروز شاہ کے عہد میں اباحتیوں کا ایک گروہ دہلی میں جمع ہو گیا تھا اور لوگوں کو اباحتی طرز زندگی کی طرف ترغیب دیتا تھا۔ ان لوگوں کا دستور تھا کہ رات کو کسی مقام پر جمع ہو کر شراب پیتے تھے اور ایک "صورت" کے سامنے لوگوں سے سجدہ کراتے تھے اور پھر زنا کے مرتکب ہوتے تھے۔ فیروز نے اُن کو سخت سزائیں دیں۔ کچھ کے سر کٹوا دیے، کچھ کو قید میں ڈال دیا، کچھ کو جلا وطن کر دیا۔ اس طرح اباحتی زندگی کا دہلی میں خاتمہ ہو گیا۔ [2]

عورتوں کے مزارات پر جانے کی ممانعت

چودھویں صدی کے نصف آخر میں تصوف نے ہندوستان میں نہایت ہی بدنما شکل اختیار کر لی تھی اور صدہا مخرب اخلاق رسمیں اور گمراہ کن بدعات عام ہو گئی تھیں۔ [3] ایک بڑی گمراہی یہ تھی کہ عورتیں کثیر تعداد میں مزارات پر جاتی تھیں اور شہر کے "لوندان و مردان اوباش" اُن کے پیچھے ہو لیتے تھے اور مزارات پر طرح طرح کی حیا سوز حرکتیں ظہور میں آتی تھیں۔ فیروز شاہ نے حکم نافذ کیا کہ کوئی عورت مزار پر نہ جائے خلاف ورزی کرنے والوں کو سخت سزائیں دی گئیں اور اس طرح یہ فتنہ ختم ہوا۔ [4] سجان رائے اور شیخ نور الحق کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ فیروز شاہ نے اسی طرح ہندو عورتوں کو بھی مندروں میں جانے سے روکا تھا۔ [5]

قیام مدارس

سیرت میں فیروز کے متعلق لکھا ہے:

---

[1] فتوحات فیروز شاہی ص ۷-۸ [2] ایضاً ص ۷، نیز سیرت فیروز شاہی

[3] ملاحظہ ہو ملفوظات قطب عالم (ورق ۵۵) جہاں قبروں سے متعلق بدعتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

[4] فتوحات فیروز شاہی ص ۸-۹۔ [5] خلاصۃ التواریخ ص ۳۵۰، زبدۃ التواریخ ورق ۴۷

سجان رائے نے لکھا ہے: "عورات مسلمہ و ہنود بر مزارات و بت خانہ منع کرد" لیکن خود فیروز کا کہنا ہے کہ "بستورات مسلمانان بیروں آیند"

Marfat.com

"از شمائل حمیدہ اشاعت علم است و قامت مدارس علوم"[1]

نظام الدین بخشی اور فرشتہ نے اس کے قائم کیے ہوئے مدارس کی تعداد تیس بتائی ہے[2] ان مدرسوں میں مدرسہ فیروز شاہی، مدرسہ سری، اور مدرسہ شاہزادہ بزرگ فتح خاں[3] خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مدرسہ فیروز شاہی اس دور کا سب سے زیادہ اہم تعلیمی مرکز تھا[4]۔ حوض خاص کے کنارے ایک خوشنما باغ کے صحن میں مدرسہ کی دو منزلہ عمارت تھی۔ شیراز اور دمشق کے قالین ہر طرف بچھے ہوئے تھے۔ مدرسہ کے پرنسپل مولانا جلال الدین رومی اپنے زمانہ کے مشہور عالموں میں شمار ہوتے تھے۔ اُن کے علمی تبحر کا یہ حال تھا کہ ــــ

راوی ہفت قرأت سند چاردہ علم + شارح پنج سنن مفتی مذہب ہر چار

اساتذہ مصری دستار اور شامی جبہ استعمال کرتے تھے[5]۔ طلبا کو اخراجات کے لیے خزانہ سے مالی مدد ملتی تھی۔ اقامتی زندگی پر خاص زور تھا اور اساتذہ اور تلامذہ کے درمیان گہرا ربط و ضبط تھا۔ مدرسہ میں عبادت کے لیے حجرے بھی بنے ہوئے تھے۔ کھانے کا انتظام سلطان کی طرف سے تھا۔ مطہر نے طلبا کے سامنے جو کھانے دیکھے تھے، اُن کی تفصیل اسی کی زبانی سنیے:

ہمہ دراج و کبوتر بچہ کبک کلنگ ماہی و مرغ مسمن برہ کوہ و قفار

قرص بریاں زلیبا و دگر آرایش خشت و لوزینہ تر و خشک بہر سو انہا[6]

فیروز کے قائم کیے ہوئے مدارس میں جن علوم کی تعلیم دی جاتی تھی، وہ یہ تھے ــــ

(۱) علم فقہ (۲) قرأت (۳) اصول کلام (۴) اصول فقہ (۵) تفسیر (۶) احادیث (۷) معانی و بیان (۸) نحو و صرف (۹) علم نظر (۱۰) علم ریاضی (۱۱) طبیعی (۱۲) الٰہی (۱۳) علم طب (۱۴) تحریر و خط[7]

---

[1] سیرت فیروز شاہی ورق ۳، ۔ [2] طبقات اکبری جلد اول ص ۲۴۱۔

[3] سیرت فیروز شاہی ورق ۱۰۶ [4] اس مدرسہ کے متعلق تفصیلی معلومات درکار ہوں تو خاکسار کی کتاب Studies in Medieval Indian History ملاحظہ فرمائیے۔

[5] ملاحظہ ہو دیوان مطہر اورینٹل کالج میگزین مئی ۱۹۳۹ء [6] سیرت فیروز شاہی ص ۳، ۔

خلافت سے تعلقات | فیروز اذنِ خلافت کو "صحت سلطنت" کے لیے ضروری سمجھتا تھا خود لکھتا ہے:

درست نباشد تا خود را بہ خادمی حضرت مشرف نگرداند و اذن از آں درگاہ مقدسہ نیابد[1]

جب تک اپنے آپ کو خلیفہ کا خادم نہ بنالے اور اس کی مقدس درگاہ سے اجازت نہ حاصل کرے (حکومت) جائز نہیں۔

حکومت کے تیسرے سال میں جب اس کو درگاہ خلافت سے منشور عطا ہوا تو اُس نے "جشنِ عام" منا کر اپنی خوشی کا اظہار کیا[2]۔ عفیف نے لکھا ہے کہ محمد بن تغلق کے لیے جائز خلافت اس کی درخواست پر آیا تھا۔ لیکن فیروز کے لیے "بے التماس" آیا[3]۔ سب سے پہلے ۱۲۵۴ء میں المعتضد باللہ ابوبکر بن الحاکم نے شیخ شہاب الدین، سرصاحب کے ہاتھ منشور روانہ کیا اور فیروز شاہ کو سیف الخلافت، قسیم امیر المومنین خطابات عطا فرمائے۔ ۱۳۶۲ء میں محمد ابوبکر المتوکل علی اللہ نے قاضی جہاد الدین اور خواجہ کافور کے ہاتھ اس مضمون کا منشور بھیجا کہ

"تفویض کردیم ما سید السلاطین فیروز شاہ را مملکت اقلیم ہند و آنچہ منسوبست بداں از جزیرہ سراندیپ و جاوات و معبر و سیلان و کولم و سولیاں ہنود و باکنور و بنگالہ و لکھنوتی و تلنگ و دیوگیر و سواحل بحر مالوہ و گجرات و دہلی و کوئہا قراجل و سندھ حدود افغانیہ و لوہہا آں تا کشمیر و زابلستاں تا حدود ترک و ماوراء النہر والی گردانید ..." [4]

اسی منشور میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ جو سید السلاطین کی تابعداری کریگا اُس نے گویا خدا اور رسول کی تابعداری کی اور

"ہر کہ بے فرمانی کند او را بے فرمانی کردہ باشد مارا رسول را و عاصی باشد خدا را ..." [5]

جس کسی نے اس کی (فیروز شاہ کی) نافرمانی کی اس نے ہماری نافرمانی کی اور رسول کی نافرمانی کی اور اللہ

---

[1] فتوحات فیروز شاہی ص ۱۸۔ [2] تاریخ فیروز شاہی عفیف ص ۲۷۵

[3] تاریخ فیروز شاہی ص ۴۷۴ [4-5] سیرت فیروز شاہی، ورق ۱۴۰

Marfat.com

۱۳۵۸ء/۷۶۰ھ میں بہمنی سلطان علاءالدین حسن کے انتقال پر اس کا بیٹا سلطان محمد تخت پر بیٹھا۔ اس نے کسی طرح دربار خلافت سے خلعت اور بہمنیہ کے خطبہ وسکہ کی منظوری کا فرمان حاصل کرلیا اور خلعت کو سر پر رکھ کر قیام گاہ تک لایا اور شادیانے بجوائے[1]۔ یہ گویا دکن کی خود مختاری کا دربار خلافت کی جانب سے اعلان تھا۔ اس صورت حال نے فیروز شاہ کے اقتدار شاہی کو زبردست صدمہ پہنچایا اور "شر طغاہ" ملک میں برپا ہوگیا۔ فیروز شاہ نے غالباً مرکز کو اس صورت حال کی اطلاع کی، چنانچہ ۱۳۶۴ء/۷۶۶ھ میں متوکل علی اللہ کی طرف سے ناصرالدین دعاتدار خلیفہ اور اشرف الدین رفاعی کے ذریعہ دوسرا منشور آیا، جس میں لکھا تھا:

سید السلاطین فیروز شاہ را معلوم باد	سید السلاطین فیروز شاہ کو معلوم ہو کہ میرے دادا،
کہ جد من و والد من و من ہیچ کسے از	میرے باپ اور میں نے ہندوستان کے بادشاہوں
بادشاہان ہند جز صاحب تخت دہلی	میں سے سوائے صاحب تخت دہلی کے کسی کو منشور
منشور نہ بخشنہ ایم و اذن سلطنت	نہیں لکھا ہے اور سلطنت کی اجازت نہیں دی
ندادہ ترا بسلطنت و امارت ممالک ہند	ہے تجھے ممالک ہند کی سلطنت اور امارت تفویض
مفوض گردانیدہ ایم پس ہر کرا طاعت	کی گئی ہے پس جو کوئی تیری اطاعت کریگا ایسا ہے
کند ترا اطاعت کردہ باشد ما را ....[2]	جیسے اس نے ہماری اطاعت کی۔

معلوم نہیں کہ سلطان محمد بہمنی نے جعل بنایا تھا، یا خلیفہ نے غلط بیانی سے کام لیا۔ بہرحال اس منشور کے آجانے سے فیروز شاہ کی سلطنت میں سکون اور قرار پیدا ہوگیا۔ برنی نے لکھا ہے کہ اس کا اثر یہ ہوا کہ ایک طرف تو دلہائے عوام وخواص "اطاعت وانقیاد" کی طرف راغب ہوگئے، دوسری طرف بلاہائے آسمانی کے دروازے بند ہوگئے اور کثرت زراعت اور فارغ البالی کے آثار نمودار ہونے لگے[3]۔

---

[1] خلافت اور ہندوستان - سید سلیمان ندوی ص ۲۵ [2] سیرت فیروز شاہی ورق ۱۳۱

[3] تاریخ فیروز شاہی ص ۵۹۸-۵۹۹۔

Marfat.com

فیروز نے محمود شمس کے ہاتھ دربار خلافت کو ہندوستان کے اوقاف، مساجد و رباطات و مدارس و خوارنق وغیرہ کے متعلق پوری تفصیل روانہ کی ۱۳۶۹ء میں محمود شمس کے ساتھ قاضی نجم الدین قریشی اور خواجہ کافور بھی آئے اور خلیفہ کی جانب سے ایک "وقف نامہ" ساتھ لائے جس میں غالباً فیروز کو ہندوستان کی سلطنت و امارت پر بلا شرکت غیرے پورا حق دیا گیا تھا۔

فیروز نے اس وقف نامہ کے نسخے "اطراف و اقصار بلاد" میں تقسیم کرائے۔ صاحب سیرت نے لکھا ہے کہ اس طرح کا وقف نامہ اس سے پہلے کسی بادشاہ کو دربار خلافت سے حاصل نہیں ہوا تھا۔[1]

خطبوں میں سلاطین کے القاب

سلاطین ماضیہ کے نام عیدین اور جمعہ کے خطبوں میں نہیں پڑھے جاتے تھے۔ فیروز شاہ نے حکم دیا کہ جن بادشاہوں کی جد و جہد اور کوشش مسلسل سے ہندوستان فتح ہوا تھا، اُن کے القاب کو خطبوں میں ضرور پڑھا جائے اور اُن کے لیے دعائے مغفرت کی جائے۔[2] عفیف نے ان ناموں کی فہرست دی ہے جو خطبہ میں پڑھے جاتے تھے تعجب کی بات ہے کہ اس میں قطب الدین ایبک، علاء الدین مسعود، معز الدین بہرام، رضیہ اور کیقباد کے نام شامل نہیں ہیں۔

رفاہ عام کے کام

فیروز شاہ نے رفاہ عام کے کاموں میں گہری دلچسپی لی اور ان میں کافی وقت اور روپیہ صرف کیا۔ اس نے متعدد نئے شہر[3] اور بہت سے چھوٹے چھوٹے قصبے آباد کیے۔ نظام الدین احمد نے اس کے بنوائے ہوئے بندوں، نہروں، تالابوں، مسجدوں، مدرسوں، پلوں وغیرہ کی تعداد بتائی ہے[4]۔ اس کے بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے یہ تفصیل فتوحات فیروز شاہی سے

---

[1] سیرت فیروز شاہی ورق ۴۱۔ [2] فتوحات فیروز شاہی ص ۴-۱۵، سیرت فیروز شاہی ورق ۶۳-۶۴۔ تاریخ فیروز شاہی عفیف ص ۱۰۵-۱۰۷۔ [3] مثلاً فیروز آباد، حصار فیروزہ، جون پور، فتح آباد وغیرہ۔ فیروز آباد کے متعلق سٹھ کا ترکیب بند پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے (اورینٹیل کالج میگزین مئی ۱۹۳۵ء ص ۱۲۵-۱۲۹)

[4] طبقات اکبری جلد اول ص ۲۴۱، نیز ملاحظہ ہوں مندرجہ ذیل مضامین
بوسٹن کا مضمون مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی جنرل ۱۹۱۱ء ص ۹۹-۱۰۸، شارپ کا مضمون مطبوعہ ہسٹاریکل ریکارڈز کمیشن رپورٹ ۱۹۲۲ء ص ۳۴-۴۱۔

اخذ کی گئی ہے لیکن موجودہ نسخے میں یہ تفصیلات درج نہیں ہیں۔ بہرحال رفاہ عام کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل کام خاص طور پر ذکر کے قابل ہیں:

(۱) شفاخانوں کا قیام۔ ان شفاخانوں میں دوا اور غذا فراہم کی جاتی تھی۔ "اور مقیم و مسافر، وضیع و شریف، احرار و عبید" سب وہاں جا کر علاج کراتے تھے[1]

(۲) قید خانوں کی حالت کو بہتر بنایا گیا۔ ہر چاند کی پہلی تاریخ کو قیدیوں کے متعلق مفصل رپورٹ سلطان کے سامنے پیش کی جاتی تھی۔ اور وہ قید خانوں کی اصلاح میں ذاتی دلچسپی لیتا تھا[2]

(۳) کوتوال کو حکم تھا کہ بے روزگار لوگوں کی فہرست تیار کرے۔ ایسے لوگوں کو سلطان کسی کام میں لگا دیتا تھا۔ کام متعین کرنے میں اُن کے خاندانی حالات، تعلیم، اور صلاحیتوں کا خیال رکھا جاتا تھا[3]

(۴) غریب لڑکیوں کی شادی کا انتظام کرنے کے لیے ایک دیوان خیرات قائم کیا گیا تھا۔ عفیف کا بیان ہے کہ

"مسلمانانِ فقیر و عورات بیوۂ حقیر از اشخاص صغیر و کبیر از چہار سوئے مملکت در شہر باز آمدند و آسامی دختراں در دیوان نویسانیدند"[4]

(۵) ایک دیوان استحقاق قائم کیا گیا تھا جو مستحقین کی مدد کرتا تھا چھتیس لاکھ تنکہ سالانہ اس پر خرچ ہوتا تھا اور چار ہزار دو سو "دل ریش" غریبوں کو اس سے مشاہرہ دیا جاتا تھا[5]

تبرکات حجاز عہد فیروزی میں تین تبرکات حجاز سے آئے تھے۔ کلید کعبہ، موئے رسولؐ اور قدم

---

[1] فتوحات فیروز شاہی ص ۱۵-۱۶، فیروز کو طب میں خاص دلچسپی تھی۔ سیرت میں لکھا ہے، طب فیروز شاہی باطلاع ارشاد ہمایوں مؤلف شدہ است" ورق ۱۷۸۔

[2] تاریخ فیروز شاہی عفیف ص ۵۰۹-۵۱۱ [3] ایضاً ص ۳۳۴-۳۳۵

[4] ایضاً ص ۳۵۱، سیرت فیروز شاہی سے معلوم ہوتا ہے کہ غریب لڑکوں کی بھی شادی کے سلسلہ میں مدد کی جاتی تھی۔ [5] تاریخ فیروز شاہی عفیف ص ۳۵۹-۳۶۰

Marfat.com

رسولؐ۔ فیروز شاہ نے ان تبرکات سے بے حد عقیدت کا اظہار کیا۔ کلید کعبہ اور موئے رسول کا ذکر تو سیرت فیروز شاہی میں بھی ملتا ہے[1]۔ لیکن قدمِ رسولؐ کے متعلق کوئی معاصر شہادت نہیں ملتی۔ کہا جاتا ہے کہ جب فیروز کے چہیتے بیٹے فتح خاں کا انتقال ہوا تو اُس نے قدمِ رسولؐ قبر پر لگوا دیا تھا[2]۔ مولوی نذیر حسین دہلوی نے ایک فاضلانہ رسالہ دلیل محکم فی نفی اثر القدم[3] میں اس کی تردید کی ہے اور محدثانہ کلام کیا ہے۔ واقعات مشتاقی سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد سکندری میں "قدم گاہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم" میں پنجشنبہ کو مجلس ہوتی تھی[4]۔

تعمیر مساجد | فیروز شاہ نے اپنے عہد حکومت میں کافی تعداد میں نئی مسجدیں تعمیر کرائیں اور بے شمار پرانی مسجدوں کی مرمت کرائی۔ مسجدوں کی تعمیر میں اس کی دلچسپی سے متاثر ہو کر اس کے امرا نے بھی اس طرف توجہ کی اور ملک کے مختلف حصوں میں مسجدیں بنوائیں۔ عہد فیروزی کی مسجدوں میں کلاں مسجد، مسجد فیروز آباد، مہرولی ذیل کی مسجد، بیگم پوری مسجد، کھنڑکی مسجد وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ سلطان کا یہ دستور تھا کہ جو بھی نیا شہر آباد کرتا تھا وہاں کئی مسجدیں تعمیر کراتا تھا۔ مسجدوں کی تعمیر کے سلسلہ میں اُسے قبلہ کے صحیح رُخ کے تعین کی ضرورت محسوس ہوئی تو بڑی تحقیق کے بعد ایک "قبلہ نما" تیار کیا۔ رمضان کے مہینے میں مسجدوں میں گھڑیال کا انتظام کیا جس سے لوگوں کو سحر و افطار کے اوقات کی اطلاع ہو جاتی تھی[5]۔

دہلی میں فیروز شاہ کی بنوائی ہوئی جامع مسجد بام و در کی بلندی اور صحن کی وسعت میں اپنی نظیر نہ رکھتی تھی[6]۔ سیرت کا مصنف لکھتا ہے:-

مسجد است ایں کہ بریں قاعدہ پرداختہ اند
یا بہشتیست کہ بر روئے زمیں ساختہ اند

---

[1] سیرت فیروز شاہی ورق ۱۴۹-۱۵۰ [2] آثار الصنادید ص ۹۲-۹۳، نیز Carr Stephen p. 197-198 [3] فخر المطابع دہلی ۱۳۶۶ھ
[4] واقعات مشتاقی (قلمی) ص ۶۱ [5] تاریخ فیروز شاہی عفیف ص ۲۵۹
[6] ملاحظہ ہو دیوان مطہر (ص ۱۳۹-۱۴۰)، تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۵۶۲

Marfat.com

ہندوؤں کے ساتھ تعلقات ہندوؤں کے ساتھ فیروز شاہ کے تعلقات کے سلسلہ میں کئی غلط فہمیاں عام ہو گئی ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ مختلف پہلوؤں سے اس مسئلہ پر غور کر لیا جائے۔

(۱) جہاں تک ہندوؤں کے عام سماجی اور معاشی حالات کا تعلق ہے برنی کی فتاوائے جہانداری اور تاریخ فیروز شاہی سے پتہ چلتا ہے کہ اُن کو معاشی سہولتیں حاصل تھیں اور وہ سماجی اقتدار سے بھی محروم نہ تھے۔ دارالسلطنت دہلی میں وہ "رائے" "ٹھاکر" "ساہو" "مہنت" "پنڈت" کے معزز القاب سے مخاطب کیے جاتے تھے[1] خوط و مقدم کے یہاں دولت کی فراوانی کا یہ عالم تھا کہ بقول برنی

درخانہائے خوطان و مقدمان از اسپان و مواشی و غلّات و اسباب جائے نماندہ و نام احتیاج در رعایا نہ ماندہ"[2]	خوطوں اور مقدموں کے گھروں میں گھوڑوں، مویشی غلہ اور مال و اسباب کی کثرت کے باعث جگہ نہ رہی تھی اور احتیاج کا نام بھی رعایا میں باقی نہ رہا تھا۔

(۲) فیروز شاہ کو ہندوؤں کے علوم میں گہری دلچسپی تھی۔ جوالامکھی کے مندر سے وہ تین سو کتابیں لایا تھا اور اُن میں سے کچھ کتابوں کے فارسی میں ترجمے بھی کرائے تھے[3]۔ اشوک کی لاٹھ کو جس طرح اُس نے میرٹھ سے دہلی لاکر نصب کیا[4]، اس سے ہندوؤں کے تاریخی آثار کو قائم رکھنے کا جذبہ ظاہر ہوتا ہے۔

(۳) "رایان و رانگان" سے فیروز کے اچھے تعلقات کا ثبوت عفیف اور برنی دونوں کی کتابوں میں ملتا ہے[5]۔ لیکن محمد بن تغلق کی طرح اس کے عہد میں ہندو اعلیٰ عہدوں پر متعین نہیں کیے گئے۔ جیسے ایک آدھ نکسال میں ہندو افسر یا کسی علاقہ میں ہندو دارو غہ کی موجودگی کی

---

[1] فتاوی جہانداری ورق ۱۲۰ [2] تاریخ فیروز شاہی ص ۵۵۴

[3] منتخب التواریخ جلد اول ص ۲۴۹، طبقات اکبری جلد اول ص ۲۳۲، تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۴۸، زبدۃ التواریخ ورق ۳۵۰۔

[4] اس سلسلہ میں فیروز شاہ نے جس دلچسپی کا اظہار کیا اُس کی تفصیل کے لیے سیرت کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

[5] عفیف ص ۲۰۶، ۲۸۱، ۳۰۳۔ برنی ص ۵۸۷-۵۹۵۔

Marfat.com

شہادتیں ضرور ملتی ہیں۔لیکن کسی اہم عہدے پر کوئی ہندو نظر نہیں آتا۔ غالباً جہاں فیروز نے اور شعبوں میں محمد بن تغلق کی پالیسی کو بدلا تھا، وہاں ہندوؤں کے تقرر کے سلسلہ میں بھی اس کی پالیسی کو بدل دیا۔

(۴) فیروز شاہ غالباً دہلی کا پہلا سلطان تھا جس نے ہندوؤں کو تبدیلی مذہب کی ترغیب دی۔ خود فتوحات میں لکھتا ہے:

"بہ ترغیب اہل ذمہ بہ سوئے دین ہدیٰ
توفیق یافتم و بہ اعلام گفتیم" ہر کہ از کفار
کلمۂ توحید گوید و دین اسلام پذیرد چنانکہ
در دین محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و
آلہ وسلم آمدہ است جزیہ از و درگذند
صیت آں بہ گوش عام رسید فوج فوج
و جماعت جماعت ہنود آمدند و بہ شرف
اسلام مشرف شدند" [1]

اہل ذمہ کو سچے مذہب کی طرف ترغیب دینے کی
توفیق ہم نے پائی اور اعلان کر دیا کہ کافروں
میں سے جو کوئی بھی کلمۂ توحید پڑھے اور دین
اسلام قبول کرلے اس کو شرع محمدی کے
مطابق جزیہ سے مستثنیٰ کر دیا جائے۔ جیسے ہی اعلان
لوگوں کے کانوں تک پہنچا تو جوق در جوق
ہندوؤں کی جماعتیں آنے لگیں اور اسلام
قبول کرنے لگیں۔

ساتھ ہی ساتھ اس نے ہندوؤں کی ان تحریکوں کو ختم کرنے کی بھی کوشش کی جن سے اُسے یہ خطرہ تھا کہ شاید بعض مسلمان طبقے ہندو مذہب کی طرف راغب ہو جائیں۔ اس ڈر سے اُس

[1] فتوحات فیروز شاہی ص ۱۶-۱۷، محمد بن تغلق نے اسلامی تمدن کو پھیلانے کی ضرور کوشش کی تھی لیکن اس طرح تبدیلیٔ مذہب کی ترغیب کسی کو نہیں دی۔ مبارک شاہ خلجی کے متعلق ابن بطوطہ نے لکھا ہے: "اس وقت میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی ہندو مسلمان ہونا چاہتا تھا تو... بادشاہ کی طرف سے اس کو خلعت اور سونے کے کنگن انعام میں ملتے تھے" (عجائب الاسفار۔ص ۷۵) اس کی تائید کسی اور ذریعہ سے نہیں ہوتی۔ اگر یہ بات صحیح بھی ہو تو اس کو ضرورت سے زیادہ اہمیت نہیں دی جا سکتی اس لیے کہ مبارک خلجی کی مذہبی دلچسپیوں کا ہمیں علم ہے؛ [2] فتوحات فیروز شاہی ص ۹۰-۱۰۰، عفیف نے لکھا ہے کہ ایک برہمن نے ایک مسلمان عورت کو مرتد کر لیا تھا (ص ۳۸۰-۸۱) فیروز نے علماء سے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا "رخصت شرع بدین است تا این زنار دار... مسلمان شود" اس نے مسلمان ہونے سے انکار کیا تو اُسے آگ میں ڈال دیا گیا۔

نے ان تحریکوں کو بھی روکا جو ہندوؤں اور مسلمانوں کو نزدیک تر لانے میں ممد و معاون ہو سکتی تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے اور ہندوؤں کے درمیان فکری اعتبار سے ایک خلیج پیدا ہو گئی۔ نواہون کا قتل غلط مذہبیت اور تنگ نظری کی بدترین مثال ہے۔

(۵) فیروز نے اپنے زمانہ میں کچھ مندروں کو ضرور منہدم کرا دیا تھا لیکن جن حالات میں یہ مندر منہدم کیے گئے تھے ان کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے بعض مندر جاج نگر اور نگرکوٹ کی مہم کے دوران میں گرائے گئے تھے۔ اور دورانِ جنگ میں عبادت گاہوں کی بربادی اس زمانہ میں عام بات تھی لیکن جس وقت بھی صلح کی صورت پیدا ہوئی ان عبادت گاہوں کی تخریب سے ہاتھ اُٹھا لیا گیا۔ مثلاً جوالامکھی کے مندر کو بالکل اصلی حالت میں اس لیے چھوڑ دیا گیا کہ وہاں کے راجہ نے اطاعت قبول کر لی تھی۔

ذمیوں کی عبادت گاہوں کے سلسلہ میں شریعت کے دو اصول بالکل واضح ہیں۔ ایک یہ کہ کسی قدیم عبادت گاہ کو مسمار کرنا یا نقصان پہنچانا قطعاً ناجائز ہے۔ اور دوسرے یہ کہ کوئی نئی عبادت گاہ بغیر حکومت کی اجازت کے تعمیر نہیں کی جا سکتی۔ فیروز شاہ نے بعض مندروں کو اس لیے منہدم کیا تھا کہ وہ بغیر اجازت تعمیر کیے گئے تھے۔ بعض مندروں کی اخلاقی فضا نہایت خراب تھی اور سلطان نے یہ اپنا اخلاقی فرض سمجھا کہ اُن کو مسمار کر دے۔ فتوحات میں اس نے ان مناد کا ذکر کیا ہے۔ موضع ملوہ میں ایک کنڈ تھا جس کے کنارے ایک مندر بنا لیا گیا تھا۔ وہاں عورتیں اور بچے، مسلمان اور ہندو میلے میں جاتے تھے۔ سلطان نے اس مندر کو منہدم کرا دیا اور وہاں ایک مسجد تعمیر کرا کے دو قصبے تغلق پور اور سالار پور کے نام سے آباد کر دیے۔ صلح پور اور کوہانہ کے مندر بھی مسمار کر دیے گئے لیکن وہاں کوئی مسجد نہیں بنائی گئی۔

(۶) فیروز شاہ سے پہلے برہمنوں سے کسی سلطان نے جزیہ وصول نہیں کیا تھا۔ فیروز شاہ نے علماء و مشائخ سے فتویٰ حاصل کرنے کے بعد حکم دے دیا کہ برہمنوں سے بھی جزیہ وصول کیا جائے۔ اس اعلان سے عام بے چینی پھیل گئی۔ ہر طرف سے برہمن جمع ہو کر سلطان کے پاس

Marfat.com

پہنچے اور کہا کہ یہ سیاہ روئی ہم برداشت نہیں کرسکتے۔ چند دن تک برہمنوں نے کوشک شکار میں فاقہ کیا اور خود را در معرض ہلاکت آوردند" بالآخر شہر کے ہندوؤں نے جزیہ کی ادائیگی اپنے ذمہ لے لی[1]

فیروز شاہ کے بعد فیروز شاہ کے عہد حکومت کے آخری سال تھے۔ فجر کے وقت ایک درویش جمنا کے کنارے وضو کر رہا تھا۔ یکایک محل شاہی کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا:

"میدانی دروں این کوشک کیست — تو جانتا ہے کہ اس کوشک کے اندر کون ہے۔

. . . بلاہائے جملہ عالم زیر پائے اوست" — . . . دنیا کی تمام بلاؤں کو اس نے پاؤں

آں روز کہ او ازیں جہاں برود معلوم — کے نیچے دبا رکھا ہے۔ جس دن وہ اس جہاں

جہانیاں شنود" [2] — سے چلا جائیگا دنیا والوں کو معلوم ہو جائیگا۔

۱۸۔ رمضان ۷۹۰ھ مطابق ۲۱ ستمبر ۱۳۸۸ء کو فیروز شاہ نے انتقال کیا اور حوض خاص کے کنارے سپرد خاک کیا گیا[3]

۱۳۸۸ء سے ۱۴۵۱ء تک جو چونسٹھ پینسٹھ سال کا عرصہ گذرا وہ شمالی ہندوستان میں بڑی ابتری اور انتشار کا دور تھا۔ ۱۳۹۸ء میں تیمور کا حملہ ہوا، جس سے شمالی ہندوستان کی سیاسی اور تمدنی زندگی کی بنیادیں ہل گئیں اور دہلی کی عظمت خاک میں مل گئی۔ فیروز شاہ کے کمزور اور نااہل جانشین حالات پر قابو نہ پا سکے۔ ۱۴۱۳ء میں تغلق خاندان کا خاتمہ ہوا اور سیدوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ یحییٰ سرہندی نے تاریخ مبارک شاہی میں ان سلاطین کا حال لکھا ہے لیکن ان کے مذہبی رجحانات کے متعلق کوئی معلومات بہم نہیں پہنچائی۔

---

[1] تاریخ فیروز شاہی عفیف ص ۳۸۲-۳۸۳ | [2] ایضاً ص ۳۲

[3] آثار الصنادید۔ ص ۸۴-۸۵ ۔۔ Carr Stephen p. 157-158

لودی سلاطین

باب دوازدھم

سُلطان بہلول لودی

بہلول لودی پہلا افغان فرمانروا تھا جو دہلی کے تخت پر بیٹھا۔ شیخ رزق اللہ مشتاقی نے اس کی دین داری، شجاعت اور سخاوت کی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ اس کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ

"بامراء و سپاہی معیشت برادرانہ داشت"[1] امراء اور سپاہیوں کے ساتھ برادرانہ رہتا تھا

زمانہ کے حالات، افغانوں کی قبائلی روایات اور خود اس کی افتادِ طبیعت نے اس میں احساسِ برتری نہیں پیدا ہونے دیا۔ وہ عیادت اور تعزیت کے لیے لوگوں کے گھروں پر جاتا تھا۔ دسترخوان پر ہر کس و ناکس کو بٹھا لیتا تھا۔ دروازہ پر کوئی "پردہ دار" نہیں رکھتا تھا۔ دربار میں دلیچہ پر بیٹھتا تھا اور کسی کو کھڑا نہیں رہنے دیتا تھا۔[2] عبداللہ کا بیان ہے:

"علم و کرم جبلی در سرداشت، بظاہر آراستہ بشریعت و بہ متابعت آن کمال تقید داشت، در کل احوال سلوک بر مسالکِ شریعت نمودے و خلاف شریعت ہرگز بکار دست نزدے"[3]

علم و کرم اس کی سرشت میں تھا۔ ظاہر میں شریعت سے آراستہ تھا۔ اور اس کی متابعت میں بڑی کوشش کرتا تھا۔ احوال سلوک میں شریعت کے راستہ پر چلتا تھا اور شریعت کے خلاف کسی کام پر ہاتھ نہ ڈالتا تھا۔

ابتدائی زندگی بہلول کا بچپن ہی تھا کہ اُس کے باپ کا انتقال ہوگیا۔ اس کی پرورش اور نگرانی اس کے چچا سلطان شاہ لودی نے کی۔ سلطان شاہ یتیم بھتیجے سے بہت محبت کرتا تھا۔ ایک

---

[1] واقعات مشتاقی ص ۹۔ [2] ایضاً ص ۶ [3] تاریخ داؤدی ص ۱۰

Marfat.com

دن نماز پڑھ رہا تھا۔ بہلول[1] کی گیند اس کے مصلّے پر جا پڑی۔ گھر کے اور لوگوں نے اس کو تنبیہ کی، لیکن سلطان شاہ نے کہا اس کو سرزنش نہیں کرنی چاہیے۔ مجھے اس کی پیشانی پر بلندی کے آثار نظر آتے ہیں[2]۔ بہلول جب سن بلوغ کو پہنچا تو گھوڑوں کی تجارت شروع کر دی[3]۔ ایک مرتبہ وہ تجارتی قافلہ کے ساتھ آ رہا تھا، سامانہ میں ایک مجذوب سید ابن[4] سے ملاقات ہوئی۔ مجذوب نے پوچھا کیا تم میں سے کوئی شخص دو ہزار تنکے میں ہندوستان کی حکومت خریدنے پر آمادہ ہے۔ بہلول کے ساتھی قطب اور فیروز تو خاموش رہے لیکن خود بہلول نے سولہ سو[5] تنکے نکال کر مجذوب کے سامنے رکھ دیے۔ مجذوب نے وہ رقم قبول کرتے ہوئے کہا:

"بادشاہی دہلی مبارک باشد وایں دو — دہلی کی بادشاہت مبارک ہو۔ یہ دو آدمی جو تیرے
کس کہ ہمراہ داری نوکری توخواہند کرد — ساتھ ہیں تیری ملازمت کریں گے۔

بہلول کے ساتھیوں نے اس حرکت پر اس کا مذاق اڑایا تو اس نے جواب دیا کہ سولہ سو تنکے میں میری زندگی تو بسر ہو نہیں سکتی تھی، اگر مجذوب کی پیشین گوئی پوری نہیں ہوتی تو مجھے ایک سید کی مدد کا ثواب ملیگا، اگر پوری ہو گئی تو یہ سودا کیا برا رہا۔ اور پھر یہ شعر پڑھا ؎

نعمت من ہیچ دانی از کجاست؟ — از در دلہا گدائی کردہ ام[6]

---

[1] ان دنوں وہ بجو کہلاتا تھا۔ [2] تاریخ شاہی احمد یادگار ص ۳۰۲، واقعات مشتاقی (قلمی) ص ۳، تاریخ داؤدی ص ۳، [3] تاریخ داؤدی ص ۳۔ نظام الدین بخشی (طبقات اکبری جلد اول ص ۲۹۵۔ باقی نہاوندی (مآثر رحیمی جلد اول ص ۴۳۵) وغیرہ نے گھوڑوں کی تجارت کے افسانہ کو غلط قرار دیا ہے۔
[4] احمد یادگار نے فتا نام لکھا ہے (ص ۳) فرشتہ نے سید انام لکھا ہے (ص ۱۷۴)، داؤدی (ص ۳) میں ابن سید دیا ہوا ہے۔ [5] تاریخ داؤدی ص ۴، لکھا ہے کہ مجذوب نے یہ شعر بھی اس موقع پر پڑھا تھا۔

سالکان رہ ہمت چو ارادت بینند — ملک کاؤس و فریدوں بگدائے بدہند

[6] تاریخ داؤدی ص ۴، واقعات مشتاقی (قلمی) ص ۱۴۔ اس قسم کے قصوں کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی جا سکتی اس لیے کہ تمام ایسے سلاطین کے متعلق جنہوں نے خود اپنی کوشش سے تخت حاصل کیا — مثلاً التمش (طبقات ناصری ص ۱۶۷) بلبن (ابن بطوطہ ص ۲۳) غیاث الدین تغلق (عفیف ص ۲۰) وغیرہ — اس قسم کے قصے مشہور ہو گئے تھے۔ احمد یادگار نے لکھا ہے کہ مجذوب نے تین پشتوں تک بادشاہی کی پیشین گوئی کی تھی (ص ۴)

Marfat.com

مذہبی جذبات | بہلول کے مذہبی جذبات کا ذکر کرتے ہوئے مشتاقی نے لکھا ہے :-

پنج نماز با جماعت ادا می کرد، و در وقت	پانچوں وقت کی نماز جماعت کے ساتھ ادا
جنگ رسم بود چوں بر فوج مخالف	کرتا تھا۔ اس کی عادت تھی کہ جنگ کے وقت
نظر می افتاد زود از اسپ فرود می آمد	جب دشمن کی فوج پر نظر پڑتی تو فوراً گھوڑے
و استخارہ و خیریت اسلام و مسلمانی و	سے اُترتا تھا اور استخارہ کرتا تھا اور خیریت اسلام اور
اقرار عجزی کرد" [1]	مسلمانی کے لیے (دعا) اور اقرار عجز کرتا تھا

جب سلطان حسین شرقی نے ایک بڑی فوج لے کر دہلی پر چڑھائی کی تو بہلول نے تمام رات خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار پر ننگے سر کھڑے ہو کر دعائیں مانگیں کہتے ہیں کہ صبح کے وقت ایک مرد غیب نمودار ہوا اور ایک لکڑی اس کے ہاتھ میں دے کر کامیابی کی بشارت دی۔[2]

دہلی میں ایک رسم تھی کہ جب کوئی شخص مرجاتا تو سویم کے دن شربت، پان، مصری وغیرہ تقسیم کی جاتی تھی۔ بہلول نے اس رسم کو بند کر دیا۔ کیونکہ اس میں بالکل بیجا روپیہ صرف ہوتا تھا[3]

علماء سے تعلقات | فرشتہ کا بیان ہے :

"در حضر و سفر با علماء و مشایخ صحبت	سفر و حضر میں علماء و مشایخ سے صحبت رکھتا
داشتے و اکثر اوقات با ایشاں بسر بردے[4]	تھا اور اکثر اوقات ان کے ساتھ رہتا تھا۔

واقعات مشتاقی میں علماء کے احترام کے سلسلہ میں تین دلچسپ واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

تخت نشینی کے بعد جب پہلے دن جامع مسجد میں آیا تو میاں قادن نے خطبہ کے بعد افغانوں کا اس طرح مذاق اُڑانا شروع کر دیا:-

سبحان اللہ عجب قومے پیدا شدند، نمی	سبحان اللہ، یہ عجب قوم پیدا ہو گئی ہے معلوم
دانم پیشرو دجال در ایشاں باشد یا نباشد	نہیں شاید دجال کا پیشرو اسی قوم میں سے ہو

---

[1] واقعات مشتاقی (قلمی) ص ۱۰۔ [2] ایضاً ص ۱۰۔۱۱،
[3] واقعات مشتاقی ص ۹، تاریخ داؤدی ص ۱۱ [4] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۷۹

ایشاں انیست کہ مادر را مورٔ می گویند و ان کی زبان یہ ہے کہ ماں کو مورٔ بھائی کو اردرٔ
برادر را اردرٔ می گویند و دیہ را شورٔ می گاؤں کو شورٔ اور فوج کو تورٔ کہتے ہیں۔
گویند و سپاہ را تورٔ می گویند[1]

بہلول نے یہ سُن کر مُنہ پر رومال رکھ لیا اور تبسم کرتے ہوئے کہا:

ملاقادن! بس کن کہ ما ہمہ بندگان ملاقادن! بس کر، ہم سبھی خدا کے
خدائیم"[2] بندے ہیں۔

پھر ایک مرتبہ سلطان کی ملاقات ایک ایسے ملّا سے ہوئی جو پستہ قد تھا اور جس کے سر پر سُرخ بال تھے۔ سلطان نے مذاق میں اس سے کوئی ایسی بات کہہ دی جو اُسے ناگوار ہوئی۔ سلطان کو جب اس کا احساس ہوا تو اس سے اظہار معذرت کیا۔ پھر ایک ملّا اس کے خلوت کدے میں گھس گیا اور ایسی حالت میں جب کہ سلطان غسل کے لیے جا رہا تھا اُسے روک لیا اور مجبور کیا کہ پہلے اس کے مطالبہ کو پورا کرے پھر غسل خانہ میں قدم رکھے۔ سلطان نے بلا اظہار ناراضگی اس کی خواہش کو پورا کر دیا[3]

سہروردی مشائخ کو مدد تیمور کے حملے کے بعد جب پنجاب میں ابتری اور بدنظمی کا دور دورہ ہوا تو سہروردیہ سلسلہ کے ان مشائخ نے جو سیاست میں پہلے سے کافی دخیل تھے، بے پناہ سیاسی طاقت حاصل کرلی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ شیخ بہاءالدین زکریاؒ کی خانقاہ کے سجادہ نشین شیخ یوسف کو ملتان کے تخت پر بٹھا دیا گیا۔ نظام الدین بخشی نے لکھا ہے:

"چوں بزرگی طبقہ علیہ شیخ الطریقہ شیخ بہاءالدین زکریاؒ ملتانی قدس اللہ تعالیٰ در قلوب سکنۂ ملتان و جمہور زمینداران آں ضوب بنوعی قرار گرفتہ بود کہ مزیدیراں متصور

[1] واقعات مشتاقی ص ۹، تاریخ داؤدی ص ۱۲، غالباً یہاں قادن نے افغانوں پر یہ اعتراض اُن کی لسانی عصبیت کی بنا پر کیا ہوگا۔ اخوند درویزہ کا بیان ہے: "چکم آنکہ جہل و سختی بر افغانان غالب است ہرگہ در زبان فارسی نطق و تکلم می کند او را دشمن گیرند" ملاحظہ پنجاب میں اُردو، ص ۲۰۶۔
[2] واقعات مشتاقی ص ۱۰۔

نباشد، جمیع اہالی واشراف وعموم سکنہ جمہور متوطنان آنحدود شیخ یوسف قریشی را کہ تولیت خانقاہ وحراست ومجاورت روضہ رضیہ شیخ بہاءالدین زکریاؒ باو متعلق بود، بسلطنت وبادشاہی برداشتہ برمنابر ملتان واوچہ وبعضے قصبات خطبہ بنام او خواندند" [1]

لیکن یہ اقتدار زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا اور لنگاہ قوم نے نہایت چالاکی کے ساتھ اُن کی سیاسی طاقت کا خاتمہ کردیا[2]۔ شیخ یوسف مع چند ساتھیوں کے دہلی آگئے۔ بہلول نے اس برگشتہ قسمت قافلے کی خاطر مدارات کی اور نہ صرف اپنے یہاں پناہ دی بلکہ اپنی ایک لڑکی کی شادی بھی شیخ یوسف کے بیٹے شیخ عبداللہ کے ساتھ کردی[3]۔

شیخ یوسف نے بہلول سے اصرار کیا کہ وہ لنگوں کے خلاف لشکر آرائی کرے لیکن بہلول مصلحتاً ٹالتا رہا[4]۔ جب لنگوں میں خانہ جنگی شروع ہوئی تو بہلول کو بھی موقع ملا اور اس نے ملتان پر حملہ کردیا لیکن اس حملہ کا کوئی خاص نتیجہ برآمد نہ ہوسکا۔ سہروردیوں کو پناہ دینے اور اُن کی حمایت کرنے کی بنا پر بہلول مذہبی حلقوں میں خاص عزت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔ سہروردی تذکروں میں اسی وجہ سے اس کا ذکر احتراماً کیا گیا ہے۔

شیخ سماءالدین سہروردیؒ اور سلطان شیخ سماءالدین سہروردیؒ اس دور کے مشہور ترین مشائخ میں شمار کیے جاتے تھے۔ ملتان میں جب لنگاہ قوم کا اقتدار قائم ہوگیا تو وہ زتھنبور، بیانہ وغیرہ ہوتے ہوئے دہلی آگئے اور پھر یہیں کے ہوگئے۔ وہ عموماً سلاطین کی صحبت سے گریز کرتے تھے[5] لیکن بہلول کے سہروردیہ سلسلہ پر اتنے احسانات تھے کہ وہ اُس سے دامن کشاں نہ رہ سکے۔

---

[1] طبقات اکبری جلد ۳ ص ۵۲۲
[2] ایضاً ص ۵۲۳، ۵۲۴
[3] ایضاً ص ۵۲۵، اخبارالاخیار ص ۲۰۹
[4] ایضاً ص ۵۲۵-۵۲۷۔
[5] حالات کے لیے ملاحظہ ہو سیرالعارفین ص ۱۷۱-۱۸۴۔ اخبارالاخیار۔ ص ۲۰۵-۲۰۷
[6] جمالی کا بیان ہے: "سلاطین روزگار را پیش آں عالی وقار ہرگز وزنے ومقدارے نبود"
سیرالعارفین۔ ص ۱۷۹

Marfat.com

ایک دن بہلول اُن سے ملنے کے لیے آیا اور غایت عقیدت میں ان کے قدموں پر اپنا سر رکھ دیا اور عرض کیا کہ میں آپ کے کرم کا محتاج ہوں۔ شیخ نے جواب دیا:

"تین آدمی اللہ کے انعام واکرام سے محروم رہینگے۔ اول وہ بوڑھا کہ گناہوں سے باز نہ آوے، دوسرے وہ جوان کہ ایام پیری میں اصلاح کی اُمید پر بے خوف معصیت میں سرگرم رہے، اور تیسرے وہ سلطان کہ باوجود حصول مقاصد و مرادات دینی و دنیاوی اپنی سلطنت کے چراغ کو جھوٹ کی آندھی سے گل کرے[1]"

اور اس سلسلہ میں بادشاہ کو بہت سی اور نصیحتیں بھی کیں سلطان کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے اور عرض کرنے لگا:

"حضرت مخدوم باوجود چندیں تقصیرات
محبت درویشاں در خود زماں زماں
مزیدی یابم، امید کہ حق تعالیٰ ببرکت
محبت ایں قوم مرا نجات ارزانی
فرماید"[2]

حضرت مخدوم باوجود اتنی تقصیرات کے اپنے
دل میں لحہ بہ لحہ درویشوں کی محبت زیادہ
پاتا ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ حق تعالیٰ محبتِ
فقراء کی برکت سے مجھے نجات عطا فرمائیگا۔

سلطان کے اس اظہار عقیدت سے متاثر ہو کر شیخ نے اُسے ایک مصلائے خاص عنایت فرمایا جس کو احتراماً سر پر رکھ کر وہ خانقاہ سے واپس ہوا۔[3]

شیخ سماء الدین نے بہلول کو اس کی طاقت کے استحکام میں بھی مدد دی جس زمانہ میں سلطان حسین شرقی سے جنگ ہو رہی تھی، شیخ بیانہ میں مقیم تھے سلطان احمد جلوانی نے اُن سے درخواست کی کہ سلطان شرقی کی کامیابی کے لیے دعا کریں۔ شیخ نے اس کو نہایت سختی سے ڈانٹا اور کہا کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ ایک شخص کے مقابلہ میں جو

"دل و دیدہ ہموارہ بخدا می آرد و شقائق وار سر تعبد از زمین تعبد عبادت برنمی دارد"

---

[1] سیر العارفین ص ۱۷۸-۱۷۹۔

Marfat.com

ایک ظالم کے لیے دعا کریں۔[1]

جب بہلول کا انتقال ہوگیا تو ایک دن شیخ سمارالدینؒ اس کے مزار پر تشریف لے گئے اور کچھ دیر مراقب رہنے کے بعد فرمانے لگے :

"سبحان اللہ! ایں مرد اگرچہ دریں جہاں در کامرانی وسلطانی گزرانید، از برکت فرط محبتے واعتقادے کہ با دوستان خدا داشت درآں جہاں نیز مرتبہ عالی یافت"[2]

سبحان اللہ! اس آدمی نے اگرچہ اس دنیا میں اپنی عمر کامرانی اور سلطانی میں گزاری لیکن اس محبت اور اعتقاد کی وجہ سے جو اس کو دوستان خدا سے تھا، اس نے اس جہان میں بھی اعلیٰ مرتبہ پایا۔

[1] سیر العارفین ص ۱۷۰ [2] ایضاً ص ۱۷۹۔

Marfat.com

باب سیزدھم

سلطان سکندر لودی

تیمور اور بابر کے حملوں کے درمیان جن سلاطین نے ہندوستان پر حکومت کی تھی اُن میں سکندر لودی کو اپنی انتظامی صلاحیت، سیاسی بصیرت علمی دلچسپیوں اور مذہبی شغف کے باعث ایک خاص مقام حاصل ہے۔ اس کا اٹھائیس سالہ دور حکومت ہندوستان کی سماجی اور تہذیبی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔ شیخ عبدالحق محدثؒ کا خیال تھا کہ

"بالحقیقت محامد زماں سلطنت آں سلطان سعادت نشان از حد تحریر و تقریر خارج است ... ؎

اگر ایں جملہ را سعدی املا کند
مگر دفترے دیگر انشا کند"[1]

حقیقت میں اس سلطان سعادت نشان کے عہد کی خوبیاں حد تحریر و تقریر سے باہر ہیں ؎

اگر ایں جملہ را سعدی املا کند
مگر دفترے دیگر انشا کند

سکندر لودی کے مذہبی افکار و رجحانات کو سمجھنے کے لیے اس عہد کی ذہنی فضا کا ایک سرسری جائزہ ضروری ہے۔

(۱) امام اکبر شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے نظریات کی اشاعت کو روکنے کے لیے فقہاء نے جو بند باندھے تھے، وہ اس دور میں ٹوٹنے شروع ہو گئے تھے۔ اور امام اکبرؒ کی کتابیں صرف اعلیٰ مذہبی حلقوں تک محدود نہ رہی تھیں، بلکہ ہر خاص و عام کے ہاتھ میں پہنچ گئی تھیں۔[2]

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۲۳۰ [2] گلزار ابرار میں دولت خاں لودی کے لڑکے کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ شیخ اکبرؒ کی ایک عبارت کا مفہوم سمجھنے کے لیے سید احمد خان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔

Marfat.com

شیخ علی مہائمی[1] اور شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ[2] وغیرہ نے فصوص الحکم کی شرحیں لکھ کر وحدت الوجود کے تصورات کو عام کر دیا تھا۔ شیخ علی مہائمی تو صرف ابن عربیؒ کے افکار کو سمجھانے کے لیے یمن تک گئے تھے[3]

(۲) صوفیہ نے صحو کی جگہ سُکر کی زندگی اختیار کر لی تھی۔ اس عہد کے سب سے زیادہ معروف چشتی بزرگ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ حالت وجد میں گھر کا چھپر تک اتار پھینکا تھا[4]۔ اس زمانہ میں مجذوبین کی کثرت[5] سُکر کی زندگی کے مہلک اثرات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ روحانی اصلاح و تربیت کے لیے جس ضبطِ نفس، تحمل اور بردباری کی ضرورت تھی وہ قطعاً مفقود ہو چکی تھی۔ عشق حقیقی کی جگہ عشق مجازی نے لے لی تھی۔ اور بعض خاصی مشہور شخصیتیں اس گمراہی کا شکار نظر آتی تھیں[6]۔

(۳) بھگتی کی تحریک[7] جس کا پہلا اظہار نواہون کے جملے میں غالباً غیر شعوری طور پر ہوا تھا، اس دور میں بالکل واضح شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اور فضاؤں میں مساوات انسانی اور وحدت ادیان کی صدائیں گونج اٹھتی ہیں۔ تعجب کی بات ہے کہ اس دور کے لٹریچر میں ان بھگتوں کا کہیں ذکر نہیں، لیکن چند ایسے واقعات ضرور ملتے ہیں جن کو ان کی تعلیم کی صدائے بازگشت قرار دیا جا سکتا ہے۔ مثلاً لودھن برہمن کا یہ اعلان کہ "اسلام حق ست و دین من نیز درست است"[8]

---

[1] حالات کے لیے ملاحظہ ہو اخبار الاخیار ص ۱۷۴-۱۷۵۔ حکیم سید عبدالحی نے ان کو "ابن عربی ثانی" کہا ہے۔ (یاد ایام ص ۵۲)

[2] ملاحظہ ہو گلزار ابرار (قلمی)، اخبار الاخیار ص ۲۱۵-۲۱۷۔ سیر الاقطاب ص ۲۲۷-۲۲۸

[3] گلزار ابرار (قلمی)

[4] لطائف قدوسی ص ۳۲

[5] اس عہد کے لٹریچر پر نظر ڈالیے تو تاجن دیوانہ، ابراہیم مجذوب، یونس دیوانہ، الہ داد دیوانہ جیسے سیکڑوں مجاذیب کے نام سامنے آئینگے۔ نیز ملاحظہ ہو لطائف قدوسی ص ۸-۹۔

[6] شیخ حسن کو سکندر لودی سے جو عشق ہو گیا تھا اس کی تفصیل آگے آئیگی۔ اس دور کے ایک اور بزرگ سید سلطان بہرائچی کے متعلق شیخ عبدالحق کا بیان ہے: "وے را با ہندو زنے محبت واقع شدہ" اخبار الاخیار ص ۲۲۵۔

[7] اس تحریک کے متعلق تفصیلی معلومات کے لیے ملاحظہ ہو: Tara chand: Influence of Islam on Indian Culture p. 163-192;

اور Yusuf Husain: Glimpses of Medieval India Culture p. 1-31;

[8] طبقات اکبری جلد اول ص ۳۲۲-۳۲۳۔

یا ایک عورت کے متعلق یہ جھگڑا کہ وہ مسلمان مری تھی یا ہندو[1]۔ اگر ایک طرف کبیر اور نانک ہندو مذہب اور اسلام کو قریب لانے کے لیے وحدت ادیان پر زور دے رہے تھے تو دوسری طرف وحدت الوجود کا دھارا اس طرح اس فکر کو تقویت پہنچا رہا تھا کہ

"ایں چہ شوروایں چہ غوغا کشادہ، کسے مومن کسے کافر، کسے مطیع کسے عاصی کسے درراہ، کسے بے راہ، کسے مسلم، کسے پارسا، کسے ملحد، کسے ترسا، ہمہ دریک سلک است"[2]

یہ کیسا شور اور غوغا پھیلا دیا گیا ہے کہ کوئی مومن ہے، کوئی کافر، کوئی مطیع ہے کوئی گناہگار، کوئی صحیح راہ پر اور کوئی بے راہ، کوئی مسلم، کوئی پارسا، کوئی ملحد، کوئی ترسا، (سچ تو یہ ہے کہ) سب ایک ہی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں

(۴) ساتھ ہی ساتھ ہندوؤں کی بعض ایسی تبلیغی جماعتیں بھی سرگرم عمل ہو گئی تھیں جن کا مقصد فکری اتحاد و یگانگت پیدا کرنے کے بجائے مسلمانوں کو مرتد بنانا تھا۔ یہ تحریکیں جاہل عوام تک محدود نہ رہی تھیں بلکہ امراء تک کو متاثر کر رہی تھیں۔ کالپی کے ضابط نصیر خاں نے

"رواز جادہ مستقیم شریعت تافتہ راہ الحاد و زندقہ پیش گرفتہ، و ترک نماز و روزہ دادہ، و زنان مسلمہ را بہ نکاں ہنود سپردہ تا رقاصی تعلیم نمایند"[3]

شریعت کے سیدھے راستہ سے منہ موڑ لیا اور الحاد و زندقہ کی راہ اختیار کر لی۔ نماز روزہ ترک کر دیا اور مسلمان عورتوں کو ہندو ناگنوں کے سپرد کر دیا تاکہ انہیں رقاصی کی تعلیم دیں۔

ایک اور افغان امیر کے متعلق لکھا ہے ــــ

"خبر رسید کہ احمد خاں پسر مبارک خاں لودی کہ حاکم لکھنوتی بود، بمصاحبت کفار طریقہ استداد پیش گرفتہ، از دین اسلام برگشتہ است"[4]

اطلاع ملی کہ احمد خاں پسر مبارک خاں لودی نے جو لکھنوتی کا حاکم تھا، کفار کی صحبت میں اتداد کا طریقہ اختیار کر لیا ہے اور دین اسلام سے منحرف

---

[1] تاریخ شاہی ص ۱۰۶، ۱۰۷۔ [2] مکتوبات شیخ عبدالقدوس گنگوہی ص ۲۰۵۔
[3] طبقات اکبری جلد ۲ ص ۳۲۶ [4] ایضاً جلد اول ص ۳۳۱۔

Marfat.com

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض علاقوں میں ان تحریکوں نے کچھ جارحانہ صورت بھی اختیار کرلی تھی مثلاً شیخ رکن الدین گنگوہیؒ کا بیان ہے :

"وطرف ہندوستان غلبۂ کافراں بود — اس طرف ہندوستان میں کافروں کا غلبہ تھا۔
در پرگنہ ردولی عمل کافراں شد، شعارِ — پرگنہ ردولی میں کافروں کا عمل دخل ہوگیا تھا
اسلام مندرس شدند، در بازار گوشت — اسلام کے شعار مٹ گئے تھے۔ بازار میں سور
خوک فروختہ می شد، حضرت قطبی دل گیر — کا گوشت بکتا تھا حضرت قطبی (شیخ عبدالقدوسؒ)
شدہ بیروں آمدند" [1] — دل برداشتہ ہوکر باہر آگئے۔

یا افسانہ شاہان کی یہ اطلاع کہ بہار کے علاقہ میں سکندر لودی کو ایک شخص نے جس کے پورے قبیلہ کو ایک ہندو راجہ نے قتل کرادیا تھا، بتایا کہ

"اولاً مسلمان بودیم، عثمانی، الحال — پہلے ہم مسلمان تھے اور عثمانی (نسل سے تھے)
زنار دار شدہ ام" [2] — اب میں زنار دار ہوگیا ہوں۔

ناممکن تھا کہ یہ واقعات سکندر لودی کے مذہبی افکار پر اثر انداز نہ ہوتے۔

(۵) اس زمانہ میں چشتیہ اور سہروردیہ دونوں سلسلے بے اثر ہوچکے تھے۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ اور شیخ سمارالدینؒ کے سوا ان سلسلوں میں غیر معمولی صلاحیتیں رکھنے والا کوئی بزرگ موجود نہ تھا۔ پھر ان دونوں سلسلوں میں باہمی یگانگت اور محبت کے جو مراسم دور اول میں قائم تھے وہ ختم ہوچکے تھے [3]۔ ممکن ہے کہ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ سہروردی بزرگ ان علاقوں میں اپنا حلقۂ اثر پیدا کرنے کی کوشش کر رہے تھے جہاں چشتیہ سلسلہ کی خانقاہیں پہلے سے قائم

---

[1] لطائف قدوسی ص ۳۱ — [2] افسانۂ شاہاں ورق ۲۹۔

[3] شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ ایک جولاہے ابراہیم کی تجہیز و تکفین میں شرکت کرنے کے بعد شیخ سمارالدینؒ کے جنازے میں شرکت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں "مرتبہ این امیت ہمچو مرتبہ ابراہیم نمی بینم" لطائف قدوسی ۵۷-۵۸۔ اس کے برخلاف شیخ بہاءالدین زکریاؒ اور شیخ فرید گنج شکرؒ، شیخ رکن الدین ملتانیؒ، اور شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے درمیان انتہائی محبت و مودت کے تعلقات قائم رہے۔

تھیں۔ بہرحال اس صورت حال نے فضا کو مکدر کر دیا۔

اسی زمانہ میں شطاریہ سلسلہ ہندوستان میں جاری ہوا۔ اس کے بانی شاہ عبداللہ شطاریؒ تو سکندر لودی کی تخت نشینی سے چار سال قبل رحلت فرما گئے تھے لیکن اُن کے متوسلین میں بعض نہایت با اثر شخصیتیں تھیں جنہوں نے اس سلسلہ کو خوب ترقی دی۔ شطاری مشائخ نے ہندوؤں کے ساتھ نہ صرف نہایت اچھے مراسم قائم کیے بلکہ اُن کے مذہبی افکار و نظریات کو بھی ہمدردانہ سمجھنے کی کوشش۔ اس کی ایک اہم مثال سید محمد غوث گوالیاریؒ کی بحر الحیات ہے جس میں ہندو مذہبی فکر کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۶) اسی دور میں ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں میں ایک دوسرے کے علوم کو سمجھنے کا شوق بڑھ رہا تھا۔ اگر ایک طرف رزق اللہ مشتاقیؒ اور میاں طہؒ وغیرہ ہندوؤں کے علوم کے ماہرین میں شمار کیے جاتے تھے تو دوسری طرف ایک ہندو برہمنؒ کے علوم اسلامی پر عبور کا یہ عالم تھا کہ مسلمانوں کو درس دیتا تھا۔ شیخ رکن الدین گنگوہیؒ ایک جوگی بال ناتھ سے اسرار توحید معلوم کرتے تھے۔

(۷) مسلمانوں کی عام سماجی اور اخلاقی حالت تیزی کے ساتھ زوال پذیر ہو رہی تھی۔ افسانۂ شاہانؒ اور تاریخ داؤدیؒ میں جن قصوں کو عجائب روزگار بنا کر پیش کیا گیا ہے وہ اخلاقی پستی اور اعتقاد کی زبوں حالی کے آئینہ دار ہیں۔ فقیروں کی عیاشانہ زندگی، طالب علموں کی بے راہ روی، تعویذ گنڈوں میں بے جا اعتقاد، جنوں اور دیووں کے قصے، چراغ سلیمان کی داستانیں کسی مضبوط معاشرہ یا محکم اخلاقی نظام میں اس طرح عام نہیں ہو سکتی تھیں۔ حقیقت میں مہدوی تحریک اسی ذہنی انحطاط اور مذہبی جمود کو دور کرنے کی ایک کوشش تھی۔

۱؎ مختصر حالات کے لیے ملاحظہ ہو اخبار الاخیار ص ۱۷۱، گلزار ابرار (قلمی) ۲؎ تفصیل کے لیے گلزار ابرار کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ ۳؎ صبح گلشن ص ۴۱۳ ۴؎ واقعات مشتاقی ص ۱۳۳۔
۵؎ منتخب التواریخ جلد اول ص ۲۲۴ ۶؎ لطائف قدوسی ص ۴، ۷؎ افسانہ شاہان ورق ۳۵
۸؎ تاریخ داؤدی ص ۷۱-۷۳۔ نیز تاریخ شاہی ص ۵۲-۱۰۴-۱۰۵۔

Marfat.com

ابتدائی زندگی | سکندر کی ماں ہیما ایک ہندو سُنار کی بیٹی تھی[1]۔ سکندر کی پیدائش سے قبل اس نے خواب میں دیکھا کہ چاند ٹوٹ کر اُس کی گود میں آگیا ہے[2]۔ نجومیوں نے یہ تعبیر بتائی کہ اس کے بیٹا پیدا ہوگا اور وہ سلطنت کو چار چاند لگائیگا[3]۔ بہلول نے سکندر کی تعلیم و تربیت کی طرف خاص توجہ کی تھی لیکن یہ معلوم نہیں کہ اس کی مذہبی تعلیم کس قدر ہوئی تھی[4]۔ بہرحال ابتدائی زندگی ہی میں اس کے اندر شدید مذہبی تعصب پیدا ہوگیا تھا۔ ایک دن اُس نے محضر طلب کیا اور علمار سے کرکشیتر کے کنڈ کو تباہ کرنے کے متعلق مشورہ کیا۔ علمار نے ملک العلمار میاں عبداللہ اجودہنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ان کی موجودگی میں کون اظہار رائے کی جرأت کرسکتا ہے۔ شہزادہ میاں عبداللہ کی طرف متوجہ ہوا۔ انہوں نے دریافت کیا کہ کرکشیتر میں کیا چیز ہے؟ جواب ملا: ایک حوض ہے جہاں کفار ہر شہر سے جمع ہوکر غسل کرتے ہیں۔ پوچھا کب سے یہ رسم جاری ہوئی ہے۔ جواب دیا۔ قدیم رسم ہے۔ میاں عبداللہ نے تفصیلات معلوم کرنے کے بعد فتویٰ دیا کہ

"بت خانہ قدیم را ویران ساختن جائز — کسی قدیم بت خانہ کو تباہ کرنا جائز

نیست"[5] — نہیں ہے۔

سکندر کو اس پر غصہ آگیا اور خنجر پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا:

"طرف کفار می کنی اول ترا می زنم بعد — کفار کی طرفداری کرتا ہے۔ میں پہلے تجھے ماروںگا

آں بر کرکشیتر خواہم تاخت" — پھر کرکشیتر کو تباہ کرونگا۔

میاں عبداللہ نے نہایت جرأت سے جواب دیا:

مرگ حق است بغیر حکم حق کسے نمیرد — موت حق ہے۔ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی نہیں مرتا

---

[1] ہیما بے حد حسین و جمیل عورت تھی۔ بہلول اُس پر عاشق ہوگیا (ملاحظہ ہو تاریخ شاہی ص ۱۷-۱۹) کچھ لوگ اس بنار پر سکندر کو "کم اصل" ہونے کا طعنہ دیتے تھے (افسانۂ شاہان ورق ۴۱)

[2] یہ روایت کئی اور بادشاہوں کے متعلق بھی کتابوں میں ملتی ہے۔ [3] تاریخ شاہی ص ۱۷۔

[4] افسانۂ شاہان (ورق ۲۲) میں اس کے صرف ایک استاد قتلوخاں کا نام ملتا ہے۔

[5] واقعات مشتاقی ص ۱۵ [6] تاریخ داؤدی ص ۲۹-۳۰۔ نیز تاریخ شاہی اعظمیہ یادگار ص ۳۰-۳۱۔

چوں کسے پیش ظالمے می آید اول مردن خود را اختیار کردہ می آید، ہر چہ باد اباد، چوں مرا پرسید مسئلہ شرع بیان نمودم اگر پروائے شرع ندارید حاجت پرسیدن نیست"

جب کوئی ظالم کے پاس آتا ہے پہلے اپنی موت کے لیے تیار ہو کر آتا ہے۔ جو کچھ بھی ہونا ہے وہ ہو جائے جب آپ نے مجھ سے دریافت کیا تو میں نے شریعت کا مسئلہ بیان کر دیا۔ اگر شریعت کی پروا نہیں ہے تو پھر پوچھنے ہی کی کیا ضرورت تھی؟

سکندر کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور کہنے لگا:

"اگر اجازت می دادید چندیں ہزارہا مسلماناں آسودہ می شدند"[1]

اگر تم اجازت دیدیتے تو کتنے ہزار مسلمان آسودہ ہو جاتے!

مشتاقی نے لکھا ہے کہ جب مجلس برخاست ہو گئی تو سکندر میاں عبداللہ کی طرف خاص طور پر مخاطب ہوا اور کہنے لگا:

"میاں عبداللہ! شما گاہ گاہ با ما ملاقات فرمائید"[2]

میاں عبداللہ! آپ کبھی کبھی ہم سے ملا کیجیے۔

سکندر بے حد حسین و جمیل شہزادہ تھا۔ راپڑی کے ایک مجذوب شیخ حسن[3] اس پر عاشق ہو گئے تھے۔ ایک دن شہزادہ کے پاس خلوت کدہ میں پہنچ گئے اُس نے اُن کا سر دہکتی ہوئی انگیٹھی میں رکھ دیا لیکن اُن کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ بعد کو شہزادہ نے انہیں قید کر دیا لیکن وہ جیل سے باہر ناچتے ہوئے پائے گئے۔ سکندر نے بلوا کر کہا: "مجھ پر عاشق ہونے کا دعویٰ کرتے ہو، پھر بھی میری قید سے بھاگتے ہو" جواب دیا: میں خود نہیں گیا تھا، میرے دادا شیخ ابولالا نے یہاں سے نکال دیا تھا[4]

تخت نشینی تخت پر بیٹھنے سے قبل سکندر شیخ سمارالدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

---

[1] اس جملے سے خیال ہوتا ہے کہ غالباً کرکشیتر بھی ان تحریکوں کا مرکز بن گیا تھا جن کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں۔
[2] واقعات مشتاقی ص ۱۶ [3] اخبار الاخیار ص ۲۸۱ [4] واقعات مشتاقی ص ۲۳-۲۴

"یا شیخ! می خواہم کہ در علم صرف کتاب میزان پیش شما بخوانم"

یا شیخ! میں چاہتا ہوں کہ علم صرف کی کتاب میزان آپ سے پڑھوں۔

شیخ نے فرمایا:

"بداں اسعدك الله فی الدارین خیرا"[1]

سکندر نے یہ کلمہ تین بار اُن کی زبان سے کہلوایا اور پھر اس سے فال نیک لے کر اور اُن کے ہاتھ چوم کر کھڑا ہو گیا۔

سادہ زندگی سلطان سکندر بہت سادہ زندگی بسر کرتا تھا۔ افسانۂ شاہان میں لکھا ہے:

عادت سلطان چناں بود تا آنکہ جامہ پارہ نشدے جامۂ نو نپوشیدے، تا آنکہ خواب غلبہ نکردے نخسپیدے و نیز تا آنکہ اشتہا غالب نشدے طعام نخوردے"[2]

سلطان کی عادت یہ تھی کہ جب تک کپڑا پھٹ نہ جاتا تھا، نئے کپڑے نہیں پہنتا تھا جب تک نیند کا غلبہ نہ ہو جاتا تھا، سوتا نہیں تھا اور جب تک بھوک غالب نہیں ہو جاتی تھی کھانا نہیں کھاتا تھا۔

احمد یادگار نے لکھا ہے کہ وہ اپنا "جامۂ خواب و پلنگ" ہر روز بدلتا تھا۔ اور یہ جامہ اور پلنگ یتیم بچیوں کے جہیز میں دے دیا جاتا تھا[3]

عبادت میں انہماک سکندر لودی مذہبی فرائض نہایت پابندی سے ادا کرتا تھا۔ محمد کبیر نے لکھا ہے:

"نماز باجماعت ہر پنج وقت می گذاردے و نوافل بسیاری می کردے و نماز تہجد و اشراق گاہے فوت نہ کردے"[4]

پانچوں وقت کی نماز باجماعت ادا کرتا تھا۔ نوافل بہت پڑھتا تھا۔ اور تہجد اور اشراق کی نماز کبھی اس سے فوت نہ ہوتی تھی۔

---

[1] واقعات مشتاقی ص ۲۴، تاریخ داؤدی ص ۳۴، تاریخ شاہی ص ۳۴، تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۱۸۶۔

[2] افسانۂ شاہاں ورق ۳۹ [3] احمد یادگار نے یہ بھی لکھا ہے کہ شادی کا خرچ سرکار سے دیا جاتا تھا۔ (ص ۴۹) ملک الامرا فخر الدین کوتوال دہلی کا بھی یہی دستور تھا کہ اپنے کپڑے یتیم لڑکیوں کے جہیز میں دیدیا کرتا تھا۔ تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۱۱۷۔ [4] افسانۂ شاہاں ورق ۳۸۔ (باقی بر صفحہ ۴۵۵)

Marfat.com

احمد یادگار نے لکھا ہے کہ صبح ہونے سے تین گھنٹے قبل وہ بیدار ہو جاتا تھا[۱] اور غسل کرنے کے بعد نماز ادا کرتا تھا اور پھر ــــ

بہ سپارہ کلام ربانی دست بستہ ایستادہ خواندے[۲] قرآن کے تین سپارے ہاتھ باندھ کر اور کھڑے ہو کر پڑھتا تھا۔

عبادت میں اس انہماک کے باعث اس کی کرامتوں کے افسانے بھی لوگوں میں پھیل گئے تھے[۳]

غربا کی مدد

سال میں دو بار سکندر محتاجوں اور مسکینوں کی فہرستیں تیار کراتا تھا اور ان کو مدد دیتا تھا۔ جاڑوں کے زمانے میں جڑاول اور دوشالے تقسیم کیے جاتے تھے۔ شہر میں متعدد مقامات پر جنس اور پکا ہوا کھانا تقسیم ہوتا تھا۔ غریب لڑکیوں کی شادی کے سلسلہ میں سلطان کی طرف سے مدد کی جاتی تھی۔ نظام الدین نے لکھا ہے :

یومیہ دمبگی، و دو مرتبہ انعام در سالے در کل ممالک مخصوص مقرر بود[۴]"

امرا میں جو بھی غریبوں اور محتاجوں کی مدد کرتا تھا وہ سلطان کی نظر میں معتبر اور معزز ہو جاتا تھا[۵]۔ ایک مرتبہ غلہ کی کمی ہوئی تو اس نے غلہ پر زکوٰۃ معاف کر دی[۶]۔ اس کے بعد اگرچہ حالات بدل گئے اور غلہ ارزاں[۷] ہو گیا لیکن اس نے دوبارہ "زکوٰۃ غلہ" وصول نہیں کی۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۵۴) نظام الدین نے لکھا ہے، وگاہ از صبح تا شام و خفتن بہ معاملات مشغولی می بود، و نماز تہجد را در یک مجلس ادا می کرد" طبقات اکبری ج ۱ ص ۳۳۵۔ [۱] تاریخ شاہی ص ۴۹، تاریخ داؤدی میں اس کا نظام اوقات مختلف دیا ہے۔ لکھا ہے: "بعد از نماز پیشین تا صلوٰۃ عشا صحبت علما، داشتہ تلاوت کتاب مجید کردے" (ص ۳۵) اور پھر تھوڑے سے آرام کے بعد تمام شب جاگتا تھا۔ [۲] تاریخ شاہی ص ۴۹

[۳] انشائے شاہان (ورق ۴۲) میں اسے "صاحب خارق" لکھا ہے۔ اور شیخ عبدالحق محدث[۹] کا بیان ہے کہ "در باب فراست بلکہ کرامت حکایات نقل می کنند" (اخبار الاخیار ص ۲۳۰) نظام الدین اور عبداللہ نے اسے "جن آشنا" کہا ہے (طبقات اکبری جلد اول ص ۳۳۰، تاریخ داؤدی ص ۶۴-۶۵)، عبداللہ نے اس کے چند خوارق بھی بیان کیے ہیں۔ [۴] طبقات اکبری جلد اول ص ۳۳۶)، تاریخ فرشتہ ص ۱۸۶، واقعات مشتاقی ص ۱۴، [۵] طبقات اکبری جلد اول ص ۳۳۰، تاریخ داؤدی ص ۵۴

[۶] طبقات اکبری جلد اول ص ۳۳۵، مشتاقی نے لکھا ہے کہ اس کے عہد میں "خلق آسودہ شد و زراعت کامل میشد.... و سوداگران و محترفہ و مزارعان ہمہ بحال خود آسودہ شدند" (ص ۱۳) نیز تاریخ داؤدی ص ۳۶۔

Marfat.com

مذہبی جذبات تاریخوں میں سکندر لودی کے مذہبی جذبات کے سلسلہ میں متعدد واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ لکھا ہے کہ اس نے اپنی پوری سلطنت کی مسجدوں میں مقری، خطیب، جاروب کش مقرر کیے تھے اور اُن کے لیے وظائف و ادرار کا انتظام کیا تھا[1]۔ ایام متبرکہ مثلاً رمضان، عاشورا وغیرہ کے موقع پر فقرا اور درویشوں میں خیرات تقسیم کرتا تھا[2]۔ اور قیدیوں کو رہا کرتا تھا[3]۔ کسی مہم پر جاتا یا کسی شہر کی بنیاد رکھتا تو پہلے فاتحہ پڑھتا تھا۔ جس زمانہ میں بارمک شاہ سے جنگ ہو رہی تھی، ایک قلندر نے اس کا ہاتھ پکڑ لکر کہا، فتح تیری ہے۔ سکندر نے کراہت سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور کہا:

"ہرگاہ کہ درمیان طائفہ اسلامیہ جنگ باشد حکم بر یک طرف نباید کرد۔ بلکہ باید گفت در آنچہ خیریت اسلام است آں شود۔ و در فتح ہر کہ صلاح خلق باشد از حق باید خواست"[4]

بہار کا سفر اور علما و مشائخ سے ملاقات بہار میں قیام کے زمانہ میں سکندر لودی بہت سے علما و مشائخ سے آن کے مکانوں پر جاکر ملا تھا۔ بہار کے ایک مشہور بزرگ شیخ فخر الدین زاہدیؒ تھے[5]، بنگال کے بادشاہ اُن کے مرید تھے اور بہار میں اُن کا بڑا اثر اور اقتدار تھا۔ جو بھی ان کے پاس ملنے کے لیے آتا اُسے شربت پلاتے تھے۔ جس وقت سکندر اُن کے پاس پہنچا تو مصری اور چینی موجود نہ تھی۔ ایک خادم نے اشارہ سے یہ بات شیخ سے کہی، انہوں نے انگلی سے اشارہ کیا کہ

از شیرینی چینی خراشیدہ شربت ساختہ بیارید[6] مٹھائی پر سے چینی کھرچ کر شربت بنا کر لے آؤ۔

سلطان اور اس کے ساتھیوں نے یہ شربت پیا۔ جب سلطان رخصت ہوا تو شیخ زاہدی نے ایک ایک خادم کو ساتھ روانہ کر دیا تاکہ وہ یہ دیکھے کہ سلطان اُن کے متعلق کیسی رائے ظاہر کرتا ہے۔

---

[1] طبقات اکبری جلد اول ص ۳۳۶، تاریخ داؤدی ص ۳۶ [2] طبقات اکبری جلد اول ص ۳۳۶، زبدۃ التواریخ ورق ۳۷۔ [3] تاریخ داؤدی ص ۳۸ [4] طبقات اکبری ج ۱ ص ۳۳۵، واقعات مشتاقی ص ۲۰۔ [5] حالات کے لیے ملاحظہ ہو گلزار ابرار (قلمی)

[6] افسانۂ شاہان ورق ۲۸-۲۹۔

Marfat.com

سکندر نے باہر نکل کر مولانا جمالی سے کہا کہ ان جیسا شیخ اس وقت کہیں نہیں ہے لیکن ایک عیب ہے۔ یہ ہیں جاہل گفتگو کے دوران میں کہنے لگے "من شمارا غبتا یاد میکردم"۔ جہالت کے باعث "غبتا" اور "غیبتا" میں فرق نہ کر سکے [1]

سکندر جب تک بہار میں رہا پابندی کے ساتھ نماز جمعہ کے لیے حاضر ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ اُسے آنے میں دیر ہو گئی۔ میاں بدی حقانی نے سلطان کا انتظار کیے بغیر جماعت کھڑی کرادی۔ جب نماز ختم ہو چکی تو بادشاہ پہنچا۔ جمالی نے سمجھ لیا کہ نماز ہو چکی ہے لیکن درباری ذہنیت سے مجبور ہو کر نمازیوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے :

"اے مردمان! بس ایں مقدار تاخیر نباید کرد کہ بادشاہ بیاید" — اے لوگو! بادشاہ کے انتظار میں اتنی تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔

میاں بدی حقانی جمالی کی یہ تقریر سُن کر فوراً بولے :

من نماز خدائے را گذرانیدم و گذاردیم — ہم کو اللہ کی نماز ادا کرنی تھی وہ ادا کر لی۔

سکندر نے مولانا جمالی کو خاموش کر دیا اور میاں بدی سے کہا کہ آپ نے اچھا کیا کہ نماز ادا کرا دی کوتاہی تو میری ہی ہے [2]

بہار کے قیام کے زمانہ میں سلطان شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے مزار پر بھی حاضر ہوا تھا اور وہاں کے فقراء و مساکین کو خیرات دی تھی [3]

سکندر لودی نے بہار سے روانگی کے وقت وہاں کے علماء و مشائخ بالخصوص شیخ بدی حقانیؒ، شیخ بدن منیریؒ، شیخ بدہ طیبؒ، شیخ فخر الدینؒ وغیرہ کو نذریں پیش کیں [4]

علمی دلچسپیاں اور علماء سے تعلقات سکندر لودی بہت اچھا علمی مذاق رکھتا تھا۔ اُسے ادب سے بھی

---

[1] انشاء شاہان ورق ۲۸-۲۹ [2] ایضاً ورق ۲۸-۲۹

[3] طبقات اکبری جلد اول ص ۳۲۰، زبدۃ التواریخ ورق ۲۷، تاریخ داؤدی ص ۵۳-۵۴

[4] انشاء شاہان۔ ورق ۲۹۔

کچھ نہ تھی اور علمی اور دینی مسائل سے بھی[1]۔ خود فارسی میں شعر کہتا تھا اور گرمی تخلص کرتا تھا علم دوستی کا یہ حال تھا کہ بقول شیخ محدثؒ:

"از اکناف عالم از عرب و عجم بعضے بہ — دنیا کے مختلف گوشوں سے اور عرب و عجم
سابقا استدعا و طلب و بعضے بے — سے بعض لوگ بغیر بلائے اور بعض دعوت پر
آں، در عہد دولت او تشریف آوردہ — اس کے دور حکومت میں تشریف لائے اور
تو طن ایں دیار اختیار کردند"[2] — اس ملک میں سکونت اختیار کرلی۔

شہر عالم رات کو اس کے پلنگ کے نیچے بیٹھ جاتے تھے اور وہ اُن سے مسائل دریافت کرتا رہتا تھا۔ خود اس کا کھانا ایک کرسی پر چن دیا جاتا تھا اور علماء کا کھانا اُن کے سامنے فرش پر لیکن کسی عالم کو وہاں کھانے کی اجازت نہ تھی۔ جب مجلس برخاست ہو جاتی تو وہ کھانا گھر لے جاکر کھاتے تھے[3]

اس عہد کے علماء میں شیخ سعداللہ[4]، شیخ رزق مشاقی، مولانا الہداد[5]، شیخ عبدالوہاب بخاری، شاہ جلال تبریزی، شیخ عبداللہ تلنبی، میاں طہ اور میاں خواجگی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ شیخ سعداللہ، شیخ عبدالحق محدثؒ کے دادا اور شیخ رزق اللہ ان کے چچا تھے موخرالذکر عربی، فارسی اور سنسکرت کے عالم تھے۔ ہندوؤں کے علوم پر مہارت کامل حاصل تھی[6]۔ ہندی میں راجن اور فارسی میں مشاقی تخلص کرتے تھے۔ مولانا الہداد جونپور کے مشہور علماء

---

[1] شیخ نورالحق کا بیان ہے: "استماع مذاکرہ علمی و تحقیق مسائل فقہی رغبتے تمام بود" ورق ۴۲، نیز ملاحظہ ہو تاریخ شاہی[2] اس کے حسن و جمال کے پیش نظر یہ تخلص بہت موزوں تھا۔ ملاحظہ ہو زبدۃ التواریخ ص ۴۷، اس کے چند اشعار بدایونی نے (منتخب التواریخ ج ۱ ص ۳۲۳) اور ایک شعر نورالحق نے (ورق ۴۷) نقل کیا ہے۔
[3] اخبارالاخیار ص ۲۲۰، نیز تاریخ داؤدی ص ۳۶
[4] واقعات مشاقی ص ۴۹، احمد یادگار نے صرف امراء کا ذکر کیا ہے (ص ۴۱-۴۲) سلطان کی علمی یا مذہبی دلچسپیاں اپنی جگہ پر لیکن علماء کے ساتھ یہ برتاؤ تو نہایت حقارت آمیز تھا۔
[5] دیکھیے اخبارالاخیار ص ۱۶۹۔ [6] ایضاً ص ۱۹۱۔
[7] صبح گلشن ص ۴۱۳۔

Marfat.com

میں تھے۔ فقہ پر متعدد کتابیں لکھی تھیں۔ سلطان سکندر خود اُن کے مکان پر ملاقات کے لیے گیا تھا[1]۔ شاہ جلال شیرازی مکہ معظمہ سے ہندوستان آگئے تھے۔ مثنوی مولانا روم کے ماہرین میں اُن کا شمار ہوتا تھا[2]۔ شیخ عبداللہ تکنبی ملتان سے آئے تھے اور دہلی میں قیام کرلیا تھا۔ سکندر اُن کے درس میں اس طرح شریک ہوتا تھا کہ

"در گوشۂ مجلس آہستہ می نشست و بعد از فراغ درس سلام علیکم گفتہ با یک دیگر صحبت می داشتند"[3]

مجلس کے گوشہ میں آہستہ بیٹھ جاتا اور درس سے فراغت کے بعد سلام علیکم کرکے باہم گفتگو کرتے تھے۔

شیخ عبداللہ اور اُن کے بھائی شیخ عزیزاللہ نے دہلی میں علم معقول کو بہت رواج دیا تھا۔ ان سے پہلے منطق و کلام میں صرف شرح تہذیب اور شرح صحائف ہندوستانی مدرسوں میں پڑھائی جاتی تھیں[4]۔ شیخ الہدیا اور شیخ عبداللہ تکنبی میں سلطان اکثر بحث و مباحثہ کراتا تھا[5]۔

میاں طہ اس عہد کے متبحر عالموں میں تھے۔ کوئی ہنر اور کوئی علم ایسا نہ تھا جس میں اُن کو کامل دستگاہ حاصل نہ ہو۔ خطاطی، نقاشی، علم مقراض، علم موسیقی ہر فن میں کمال رکھتے تھے موسیقی کے کاملانِ فن اُن کو اُستاد مانتے تھے۔ علم طب میں اُن کو چوبیس ہزار اشلوک یاد تھے۔ ہندو بھی اُن کے پاس تحصیل علم کے لیے آتے تھے۔ سکندر اُن کی بڑی قدر کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ — "ہزار آدمی بہ یک ذات میاں طہ است"[6]

---

[1] انشاء شاہان ورق ۳۹-۴۰، شیخ الہدیا کے بعض منافق دوستوں نے اس موقع پر اُن کے ساتھ بُرا سلوک کیا تھا تفصیل کے لیے انشاء شاہان دیکھیے۔ [2] اخبار الاخیار ص ۲۱۴۔

[3] منتخب التواریخ جلد اول ص ۳۲۴، شیخ عبداللہ کی ایک کتاب بدیع المیزان شرح میزان المنطق کے نسخے دام پور، حیدرآباد اور بانکی پور کے کتب خانوں میں ملتے ہیں۔ حالات کے لیے ملاحظہ ہو مآثر الکرام ص ۱۹۱۔

[4] منتخب التواریخ جلد اول ص ۳۲۳۔ نیز ملاحظہ ہو مولانا سید عبدالحی کا مضمون "ہندوستان کا نصاب درس" الندوہ فروری ۱۹۰۶ء ص ۸-۹۔ [5] منتخب التواریخ جلد اول ص ۳۲۴۔

[6] واقعات مشتاقی ص ۱۳۳: مولانا رزق اللہ مشتاقی نے بھی اُن کے درس میں شرکت کی تھی۔ ایک مرتبہ اُنھوں نے ایک موتی اپنے ہاتھ سے بنا کر سلطان کو دیا تھا اور جوہری تک اس کی فناخت سے قاصر رہے تھے

(باقی بر صفحہ ۴۶۰)

Marfat.com

اسی دور کے ایک اور عالم سید رفیع الدین صفوی تھے معقولات میں مولانا جلال الدین دوانی کے اور حدیث میں شیخ شمس الدین سخاوی الحافظ المصری کے شاگرد تھے۔ حرمین الشریفین سے سکونت چھوڑ کر دہلی آگئے تھے اور

سلطان سکندر در حق او اعتقادِ عظیم پیدا شدہ لہ

سلطان سکندر کو ان میں بے حد اعتقاد پیدا ہو گیا تھا۔

بعد کو وہ سلطان کی اجازت سے آگرہ چلے گئے تھے۔

شیخ حسام الدین المشتہر بہ شیخ اوجہر اس عہد کے متبحر علماء میں تھے۔ سکندر لودی نے چند علماء فحول اور چند شتر کتابیں ان کے سپرد کر کے محکمۂ احتساب کا نگراں بنا دیا تھا۔ وہ ملک کے مختلف حصوں میں گئے اور مشائخ، مفتیوں، قاضیوں اور اشراف سے اس مضمون کے مچلکے لکھوائے کہ

"من بعد ازیں ہیچ متنفسے بامور نامشروعہ ممنوعہ مرتکب نگردد"

اس کے بعد کوئی متنفس کسی غیر شرعی کام کا مرتکب نہ ہوگا۔

سکندر لودی ان کے احتسابی کام سے بہت خوش ہوا تھا۔ اسی سلسلہ میں وہ گنگوہ پہنچے اور شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے پاس جا کر سرودِ سماع پر احتساب کیا لیکن ان کی صحبت سے کچھ ایسے متاثر ہوئے کہ اپنا مال و اسباب لٹا کر ان کے حلقۂ مریدین میں شامل ہو گئے۔ لکھا ہے کہ جب سکندر لودی کو شیخ اوجہر کی زندگی میں اس انقلاب کا علم ہوا تو وہ بھی شیخ گنگوہیؒ کا بہت معتقد ہو گیا۔ [۲]

میاں بھوہ اور سکندر لودی

عہد سکندری کے علماء میں میاں بھوہ کو امتیازی شان حاصل ہے۔ ان

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۵۹) علم کیمیا اور سیمیا میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ انہوں نے بادشاہ کے لیے کاغذ سے ایک کلاہ عاج تیار کیا تھا۔ ایک عجیب و غریب کرن پھول بنایا تھا جو سر کی حرکت کے ساتھ کبھی پھول بن جاتا تھا کبھی غنچہ۔ (ملاحظہ ہو تاریخ داؤدی ص ۵۶) ہشاتی نے لکھا ہے کہ ان پر سعدی کا یہ شعر صادق آتا تھا ؎

کہ بداری تو از ہنر ہیچ تا سعدی از خدا بجز اومید مدار تو۔ (ص ۱۳۳) ؎

(نوٹ صفحہ ہذا) [۱] اخبار الاخیار ص ۲۴۴۔ [۲] تکملہ لطائف قدوسی ص ۱۰۷-۱۰۹۔

[۳] (بر صفحہ ۴۶۱)

Marfat.com

کی علمی دلچسپیوں کا یہ حال تھا کہ۔

"علما، ہم نشیں ساخت فضلائے عصر پیش او گرد آمدند و خطاطان و حکما جمع کرد و کتابہا از ہر علم مکرر می نویسانید و از خراسان می آورد و علما و فضلا را میداد و ہمیشہ کتابان اندریں کار مشغول می بودند حکما رہند و خراسان را جمع کردہ و کتابہا حکمت گرد آورد و انتخاب کنانید" [1]

ان کی طب سکندری کو تاریخ طب میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ کتاب کے دیباچہ میں مؤلف نے یہ بتایا ہے کہ سلطان کی علم دوستی نے اس میں علمی مذاق پیدا کیا تھا۔ خاتمہ پر چند اشعار ہیں جن میں سلطان کو اس طرح مخاطب کیا گیا ہے۔

شہا طبائع بندہ ز کردن ایں طب — نہاں بود و نہال و نہ جاہ بود و کمال
یکے دو چیز تمنائے نوکرت بودہ — کہ باد حاصل آں دو بفضل رب جلال
یکیکہ نفع رسد زاں ہمہ وضیع و شریف — دوئم ثواب بود شاہ را ازاں اعمال
کہ تا بروز قیامت جہانیاں باشند — دعائے جاہ و جوانی شہ بصدق مقال
مؤیدا ملکا خالقا خداوندا — بدہ تو دولت کونین شاہ را ہمہ حال [2]

سجان رائے نے لکھا ہے کہ ایک دن جامع مسجد میں سکندر لودی کی نظر سوٹھ کے ایک دانہ پر جا پڑی، اسے اٹھالیا اور میاں بھوہ کے ہاتھ پر رکھ دیا میاں بھوہ نے

آں را در باغچہ نشیمن خود کاشتہ مراسم حزم و احتیاط در پرورش آں بکار برد، از و چند خوشہ برآمد، چوں پختہ شد زیادہ از دو صد دانہ بہم رسید، ہمچنیں چند سال علی التواتر کاشتہ و حاصلات آں سال بسال بہم رسانیدہ مبلغے فراواں پیدا

(نوٹ صفحہ ۴۶۰) [1] جمالی نے لکھا ہے: "وزیرے بے نظیر، صاحب فراست و اہل کمال و کیاست مربی علماء و فقراء ... کہ در سلطنت ازمے باستحکام بود" سیر العارفین ص ۱۳۸۔

نوٹ صفحہ ہذا: [1] ماثر رحیمی ص ۱۶۳،

[2] معدن الشعار یعنی طب سکندری ص ۴۹۔

Marfat.com

کردازاں مبلغہا در شہر دہلی مسجدے بعمارت متین احداث نمودہ[1]

سکندر کو جب اس کا علم ہوا تو میاں بہوہ کی عقل و دانش کی بہت داد دی۔ میاں بہوہ کی ذہانت اور فرزانگی کے بہت سے قصے واقعات مشتاقی اور افسانۂ شاہان میں درج ہیں۔

شیخ حسن طاہر اور سلطان

شیخ حسن طاہر[2] راجی حامد شہ کے مرید تھے۔ بہار میں شیخ بدہ حقانی سے تحصیل علم کیا تھا۔ فلسفہ وحدت الوجود کے خاص ماہرین میں شمار کیے جاتے تھے سلطان سکندر کا ایک بھائی اُن کا مرید تھا۔ ایک دن اُن سے عرض کیا۔

"حضرت شیخ فاتحہ بخوانید کہ تا مرا سلطنت دہلی نصیب گردد"

حضرت شیخ فاتحہ پڑھیے کہ مجھے دہلی کی سلطنت حاصل ہو جائے

شیخ حسن نے اس خیال سے باز رکھا اور کہا کہ

"حق تعالیٰ بحکمت خویش ترقی یکے خواستہ است تو در آنجا معارضہ مکن تو مطیع او باش"[3]

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے ایک کی ترقی چاہی ہے تو اس بات میں معارضہ مت کراور اس کا فرمانبردار ہو جا۔

سلطان سکندر کو جب اس کا علم ہوا تو انہیں اصرار کر کے آگرہ بلوایا۔ وہ کچھ عرصہ وہاں رہ کر دہلی چلے گئے۔ وہیں ان کا مزار ہے۔

سکندر لودی اور جمالی

شیخ سمار الدین دہلوی کے مرید مولانا جمالی[4] سکندر لودی کے مصاحبین خاص میں تھے۔ افسانۂ شاہان میں لکھا ہے:

"می گویند در میان مولانا جمالی و سلطان سکندر چناں اتحادے بود کہ دیگرے در میان نبود"[5]

---

[1] خلاصۃ التواریخ ص ۲۰۸، یہ مسجد اب تک موجود ہے اور موٹھ کی مسجد کہلاتی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ Carr Stephen p. 166,

[2] [3] اخبار الاخیار۔ ص ۱۹۰۔

[4] حالات کے لیے ملاحظہ ہو اخبار الاخیار ص ۲۲۱، منتخب التواریخ جلد اول ص ۳۲۶۔ نیز Story, Persian Literature p. 968-970. [5] افسانۂ شاہان۔ ورق ۳۶

ایک دن سکندر نے کسی معاملہ میں میاں حافظ کی جانبداری کردی تو جمالی دلگیر ہو گئے اور قلندروں کی طرح "چرمے در زیر بستہ و خاک بر وجود خود مالیدہ" خراسان کی طرف نکل گئے[1] عراق و عرب، عجم و روم و شام و مصر و ماوراء النہر میں عرصہ تک گشت کرنے کے بعد دہلی پہنچے۔ سکندر ان دنوں بدایوں میں تھا۔ وہاں سے جمالی کے نام اپنے ہاتھ سے مندرجہ ذیل منظوم خط لکھ کر بھیجا اور شیخ سماء الدین[2] کو بھی لکھا کہ جمالی کو جلد از جلد بدایوں بھیج دیں:

اے خزن گنج لا یزالی	اے سالکِ راہِ دیں جمالی
در گرد جہاں بسے زدہ سیر	در منزل خود رسید بالخیر
بودے تو مسافر زمانہ	الحمد کہ آمدی بخانہ
اے شیخ بما برس بزودی	بسیار مسافرت نمودی
بکشائے بسوئے درگہم گام	تا در یابی ز گلرخی کام
چشم بجمالِ تو طپان است	دل مرغ مثال در فغان است
من اسکندر تو خضر مائی	آں بہ کہ بسوئے ما بیائی
باید کہ کتاب مہر و ما ہم	ارسال دہد چنانکہ خواہم
از مہر کشد دو دیدہ را نور	آں مہ نشود ز دیدہ ام دور[3]

احمد یادگار کے بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ سماء الدین نے اصرار کر کے جمالی کو بھیجا تھا اور

---

[1] افسانۂ شاہان میں لکھا ہے کہ سکندر نے جمالی کو واپس لانے کے لیے آدمی بھیجے تھے۔ تو جمالی نے لکھا۔ معلے بادشاہ از ما دشمنی و دستی از دل بود، برائے مال و جاہ نبود، چونکہ بیقیدی درمیان شد خاطرم پارہ پارہ گشت، پیوندی نپذیرد۔

گر پہ دوریم از بساط قرب ہمت دور نیست — بندۂ شاہی شمائیم و ثنا خوانِ شما (صفحہ ۳۸)

[2] بعض تذکروں میں ان دو شعروں کو بھی اس میں شامل کیا گیا ہے۔

در مکہ و مدینہ گشتی	گوہر بودی غریبہ گشتی
در شیخ زمستان نشد یسر	تشریف نمودنش کشد دیر

[3] افسانۂ شاہان (ص ۳۸) سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا شعر سکندر نے ہندستان سے باہر جمالی کے پاس بھیجا تھا۔

Marfat.com

انہیں سمجھایا تھا کہ ــــ

فقراورا از صحبت پادشاہان بسی فائدہ	فقرا کو بادشاہوں کی صحبت سے بہت سے دنیاوی
دنیاست کہ مہم چندیں مسکیناں بوسیلۂ	فائدے ہیں۔ اس کی وجہ سے بہت سے مسکینوں
آں فصیل یابد[1]	کی مشکلیں حل ہو جاتی ہیں۔

بہرحال ٹوٹے ہوئے رشتے پھر جڑ گئے اور جمالی دربار میں واپس آ گئے۔ جب سکندر لودی کا انتقال ہوا تو جمالی کو بے حد صدمہ ہوا۔ ان کے لکھے ہوئے مرثیہ کے یہ چند شعر گہرے غم والم کا پتہ دیتے ہیں ؎

خلق حیران و پریشانست شہنشاہ چہ شد	ہمہ بر سینہ زناں دست کہ اللہ چہ شد
مہر در آتش غم سوخت شفق خوں بارید	انجم از چرخ فرو ریخت کہ آں ماہ چہ شد
ظلمت آباد شد آفاق ز شام غم او	یارب آں طلعتِ خورشید سحرگاہ چہ شد
خونِ گرہ شد بگلو زآہ دمم شد مسدود	در غمِ آنکہ مرا ہمدم و ہمراہ چہ شد
دیگ آں فرحت و آں بہجت و آں حال چہ شد	آوخ آں دولت و آں مسند و آں گاہ چہ شد
نیک خواہان مرے این لحظہ اجل خواہ شدند	کاں خداداں و خدابین و خداخواہ چہ شد
ہاتفم گفت مپندار کہ او در خاک است	قدمش ہمچو مہ و مہر بسر افلاک است

لودھن کا قتل تخت نشینی کے بعد سکندر سنبھل میں مقیم تھا۔ وہاں لکھنوتی کے حاکم اعظم ہمایوں نے ایک برہمن لودھن کو اس کے پاس بھیجا۔ اس برہمن کا قصور یہ تھا کہ اس نے کہا تھا کہ

اسلام حق است و دین من نیز درست ست — اسلام حق ہے اور میرا دین بھی صحیح ہے۔

قاضی پیارہ اور قاضی بدہ کی رائے میں اختلاف تھا۔ سکندر نے ملک کے مختلف حصوں سے علماء کو طلب کیا۔ دہلی سے میاں قادن بن شیخ خوجو، میاں عبداللہ بن الہداد تلنبی، سید محمد بن سعید خاں بلائے گئے، سرہند سے ملا قطب الدین، ملا الہداد، ملا صالح، قنوج سے سید مان

[1] تاریخ شاہی ص ۴۸۔

اور میاں سید اخن بلائے گئے۔ ان کے علاوہ وہ علماء بھی شریک محضر تھے جو ہمیشہ سلطان کے ساتھ رہتے تھے مثلاً سید صدرالدین قنوجی، میاں عبدالرحمٰن سیکروی، میاں عزیزاللہ سنبھلی۔ ان سب علماء نے مسئلہ پر غور کرنے کے بعد یہ فیصلہ دیا کہ لودھن کو قید میں رکھا جائے اور اس سے اسلام میں اعتقاد کا اعلان کرایا جائے، اگر انکار کرے تو قتل کر دیا جائے۔ لودھن نے انکار کیا چنانچہ اس کو قتل کر دیا گیا۔[1]

لودھن کا قتل ہندوستان کی مذہبی تاریخ کا ایک نہایت ہی افسوسناک واقعہ ہے لیکن اس کو ایک فرد کا معاملہ سمجھنا غلط ہوگا۔ لودھن کا یہ جملہ یقیناً بھگتی کی تحریک کا ترجمان تھا۔ اگر ایسی صورت نہ ہوتی تو ملک کے دور دراز حصوں سے علماء کو اس مسئلہ پر غور کرنے کے لیے ہرگز طلب نہ کیا جاتا۔

شراب و سرود میں دلچسپی

مذہب سے اس گہرے لگاؤ کے باوجود جس کا مظاہرہ سلطان اکثر کرتا رہتا تھا، وہ شراب اور گانے کا شوقین تھا۔[2] عبداللہ لکھتا ہے:

"بعضے از اہل خبر بریں رفتہ اند کہ شاید در آں وقت سلطان بقصد صحت مزاج و بطریق دوا و علاج در خفیہ بر نہجیکہ ہیچ کس بر آں مطلع نشدے بطریق اد، دحیا چیزے از اسباب عیش و عشرت نیز بکار بردے"[3]

عبداللہ نے فن موسیقی میں اس کی دلچسپی اور سازندوں کے ساتھ اس کے برتاؤ کی تفصیل بھی

---

[1] طبقات اکبری جلد اول ص ۳۲۲-۳۲۳، تاریخ داؤدی ص ۵۹-۶۰، تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۱۸۳، فرشتہ نے اس کا نام یودھن لکھا ہے۔ ولسن کا خیال ہے کہ لودھن غالباً کبیر کے چیلوں میں کوئی شخص تھا۔ (Asiatic Researches Vol XVI p. 66) ہردی والا کا خیال ہے کہ ممکن ہے وہ بھاگوت کے بارہ چیلوں میں سے ایک تھا (Studies in Indo-Muslim History p. 671)

[2] غالباً انہی کمزوریوں کے پیش نظر نظام الدین نے اپنے محتاط انداز میں اس کے متعلق لکھا ہے: بیشتر بر ہوائے نفس نرفتے (ج ۱ ص ۳۳۵)

[3] تاریخ داؤدی ص ۳۶، شتابی نے لکھا ہے "بعضے اوقات شراب می خوردا ما ہیچ آفریدہ ندیدہ است" (ص ۵۲)

دی ہے[1]

سماجی اصلاحات سکندر نے بعض سماجی خرابیوں کو دور کرنے کی بھی کوشش کی۔ مذہبی رسوم کے پردے میں جو گمراہیاں عام ہوگئی تھیں اُن کے خلاف اس نے تعزیری کارروائیاں کیں۔ سید سالار مسعود کے نیزے جو ہر سال نکلتے تھے اس نے تمام ملک میں بند کرا دیے[2]۔ فیروز شاہ نے عورتوں کو قبروں پر جانے سے روکا تھا لیکن اس کے بعد یہ رسم پھر جاری ہوگئی تھی سکندر نے اس پر بھی پابندی لگائی[3]۔ علاوہ ازیں بہت سی جعلی قبریں اس زمانہ میں وجود میں آگئی تھیں۔ مشتاقی نے لکھا ہے۔

"وقبور بلامیت را نہر ساختہ"[4]

چیچک کی دیوی سیتلا کی پرستش کو سختی سے روکا[5]

شیخ عبدالقدوس گنگوہی کا خط سکندر لودی کے نام

شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے سلطان کو ایک طویل خط لکھا تھا جس میں علماء و صلحاء و ائمہ کے ساتھ تیمارداری اور غم خواری کا برتاؤ کرنے کی درخواست کی تھی۔ خط میں یہ القاب استعمال کیے گئے تھے:

"بجناب عالی مآب لایزال عالیا حضرت ظل اللہ فی الارض آسمان جاہ فلک سپاہ جہاندار شہریار سلیماں جہانیاں سکندر زماں خلد اللہ ملکہ وابد فی العالمین رافتہ واعلیٰ فی الدارین شانہ وصانہ عما شانہ"

شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کے زمانہ سے اب تک تصوف اور صوفیہ کے افکار و کردار میں جو فرق پیدا ہوگیا تھا وہ اس خط کے ایک ایک حرف سے ظاہر ہے۔ اس میں سلطان کو "روشن ضمیر" "منیر حق پذیر" وغیرہ القاب سے مخاطب کیا گیا ہے، اور بقائے جہاں کا انحصار سلطان پر بتانے کے بعد مشائخ و علماء کے ساتھ اچھے سلوک کی ترغیب دی گئی ہے:۔

---

[1] تاریخ داؤدی ص ۳۸۔ ۳۹۔ [2] واقعات مشتاقی ص ۱۵۔ تاریخ داؤدی ص ۳۸
[3] تاریخ داؤدی ص ۳۸ [4] واقعات مشتاقی ص ۱۵۔

Marfat.com

"پس ہمت بلند باید درم و دینار جاہ و جلال نثار فقراء و صلحا، شاید کہ در خدمت و محبت ایشاں ایں سعادت و مساعدت نماید . . . ہمہ عالم امید وار الطاف و اشفاق خداوند عالم است" [1]

ہندوؤں کے ساتھ برتاؤ ہندوؤں سے برتاؤ کے سلسلہ میں سکندر لودی بجا طور پر بدنام ہے، خود مسلمان مورخوں نے اعتراف کیا ہے کہ

"تعصب اسلام بمرتبہ داشتے کہ دریں باب بسر حد افراط رسانیدہ بود" [2]

اسلام میں تعصب اس حد تک رکھتا تھا کہ سرحد افراط تک پہنچ گیا تھا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس نے یہ تعصب اس لیے اختیار کیا تھا تاکہ عام مسلمان یا اس کے ہم قبیلہ افغان اس کو ہندو ماں کے پیٹ سے ہونے کا طعنہ نہ دے سکیں [3]۔ ممکن ہے کہ اس کے تحت الشعور میں یہ احساس بھی کام کر رہا ہو لیکن اس کی پوری مذہبی پالیسی کو صرف اس نقطہ کے گرد نہیں گھمایا جا سکتا ــــ اس کی مذہبی فکر بھگتی کی تحریک کے خلاف ایک صدائے احتجاج ہے۔ ایسی صدا جو اس کی زندگی تک تو محلات شاہی میں گونجتی رہی لیکن اس کے مرنے کے بعد صدا بہ صحرا ثابت ہوئی۔ اکبر کے عہد تک بھگتی کی تحریکیں پوری قوت کے ساتھ کام کرتی رہیں اور ہندوستان کے بعض بہترین دماغ اس سے متاثر ہوئے۔

سکندر لودی کے مذہبی تعصب سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن عبداللہ [4] اور دیگر مورخین نے جس انداز میں انہدام مناذر کی تصویر کھینچی ہے وہ حقیقت سے تعلق نہیں رکھتی۔ نگر کوٹ [5] اور متھرا [6] میں سکندر نے ضرور تعصب سے کام لے کر سختی کا برتاؤ کیا تھا لیکن سلطنت کے اور حصوں میں تخریب مناذر کے لیے کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ اس کے برخلاف حقیقت ہے

---

[1] مکتوبات قدوسی ص ۴۶ [2] طبقات اکبری جلد اول ص ۳۳۵

[3] A. B. Pandey : The Early Mughal Empire in India p. 274

[4] تاریخ داؤدی ص ۳۷ وغیرہ [5] تاریخ شاہی ص ۴۰

[6] واقعات مشتاقی ص ۱۳، تاریخ داؤدی ص ۳۷۔

Marfat.com

کہ سکندر لودی نے ہندوؤں کے علوم میں دلچسپی کا اظہار کیا اور ساتھ ہی ساتھ ہندوؤں کو فارسی کی تعلیم کی طرف ترغیب دی لکھا ہے:-

"وکافراں بخواندن ونوشتن خط فارسی کہ تا آں زماں درمیان ایشاں معمول نبود پرداختند"[1]

اور کافروں کو فارسی پڑھنے اور لکھنے کی طرف لگایا اس وقت تک ان میں اس کا رواج نہیں ہوا تھا۔

غالباً یہی وجہ تھی کہ ہندوؤں کا دفاتر میں عمل دخل پہلے سے زیادہ بڑھ گیا اور شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ نے بابر سے درخواست کی کہ اُن کے تقررات محکمہ دیوانی میں نہ کیے جائیں[2]۔

انتقال رزق اللہ مشتاقی نے لکھا ہے:

"در تمام اعمال وافعال او جائے انگشت دالا کہ ریش می تراشید"[3]

اس کے تمام اعمال وافعال میں کسی جگہ بھی انگلی رکھنے کی گنجائش نہ تھی مگر یہ کہ وہ داڑھی منڈاتا تھا۔

دہلی کے ایک مشہور بزرگ حاجی عبدالوہاب بخاریؒ[4] نے ایک دن سکندر کو داڑھی رکھنے کی تلقین کی اور کہا کہ—

"شما پادشاہِ مسلمانان باشید وریش نگاہ ندارید۔ از آداب مسلمانی دور می نماید"

تم مسلمان بادشاہ ہو اور داڑھی نہیں رکھتے۔ یہ آداب مسلمانی سے دور نظر آتا ہے۔

سکندر نے جواب دیا کہ میری داڑھی بھری ہوئی نہیں ہے۔ اگر رکھونگا تو بُری معلوم ہوگی، اور لوگ ہنسینگے۔ حاجی عبدالوہاب نے کہا: میں ہاتھ پھیرے دیتا ہوں، اچھی داڑھی نکلیگی۔ سکندر یہ سُن کر خاموش ہوگیا۔ حاجی نے اصرار کیا اور جواب مانگا۔ سکندر نے جواب دیا کہ جب میرا پیر

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۸۷ [2] مکتوبات قدوسی ص ۳۳۷ [3] واقعات مشتاقی ص ۵۲

[4] حالات کے لیے ملاحظہ ہو اخبار الاخیار ص ۲۰۹-۲۱۴، گلزار ابرار (قلمی)، مشتاقی نے ان کا ذکر حوالۂ اس طرح کیا ہے: "قطب عالم سید السادات حضرت شیخ حاجی عبدالوہاب"۔ سکندر کے "خوارق عادات" میں مورخین نے بیان کیا ہے کہ جب حج سے واپسی پر انہوں نے ساحل ہند پر قدم رکھا تھا تو سلطان نے بغیر اطلاع اس بات کا اعلان کر دیا۔

مجھے حکم دیگا جب رکھونگا۔ حاجی عبدالوہاب نے پوچھا: تمہارا پیر کون ہے۔ جواب دیا: وہ جابلیہ کے ایک موضع بہوا کے جنگل میں رہتے ہیں۔ کبھی کبھی مجھ سے ملنے کے لیے آتے ہیں۔ حاجی عبدالوہاب نے پوچھا: خود اُن کے بھی داڑھی ہے۔ جواب دیا: نہیں۔ حاجی عبدالوہاب نے کہا: تم تو داڑھی رکھ لو، جب اُن سے ملاقات ہوگی اُن سے بھی امر معروف کرونگا۔ سلطان یہ سُن کر خاموش ہوگیا۔ اور حاجی عبدالوہاب اپنی قیام گاہ پر واپس آگئے۔ اُن کے اُٹھ جانے کے بعد سلطان نے کہا:

"شیخ می داند کہ مردم بخدمت ایشاں می آیند پائے بوسی می کنند از عظمت ایشان است اگر من غلامے را بر چوڈول نشانم ہمہ امرا بر چوڈول او بکشند"

شیخ یہ سمجھتا ہے کہ لوگ جو اس کے پاس آتے ہیں اور اس کے پیر چومتے ہیں وہ اس کی اپنی عظمت کی وجہ سے کرتے ہیں۔ اگر میں اپنے کسی غلام کو چوڈول پر بٹھا دوں تو سب امرا اس کا چوڈول کھینچیں۔

شیخ عبدالجلیل وہاں موجود تھے، اُنہوں نے یہ گفتگو شیخ عبدالوہاب تک پہنچا دی۔ شیخ عبدالوہاب نے غصہ میں کہا:

"چوں او اہانت فرزند رسول کردہ بغلام نسبت نمودہ، ان شاء اللہ تعالیٰ حلق او خواہند گرفت" [1]

چونکہ اس نے فرزند رسول کی بے عزتی کی ہے اور غلام سے اس کو نسبت دی ہے اللہ نے چاہا تو اس کا حلق بند ہو جائیگا۔

اور اپنے وطن کو چلے گئے۔ ایک ماہ کے بعد سلطان کے گلے میں شدید تکلیف پیدا ہوئی۔ اور روز بروز بڑھنے لگی۔ ایک دن اپنے امام شیخ لاڈن کو حکم دیا کہ "نماز و روزہ و ریش تراشیدن و مے خوردن و گوش و بینی بریدن" [2] کے کفارہ کی رقم کا تعین کرکے بتلائے۔ پھر حکم دیا کہ

---

[1] واقعات مشتاقی ص ۵۲، ۵۳۔ تاریخ شاہی ص ۶۲، ۶۵۔ تاریخ داؤدی ص ۷۹-۸۱۔ زبدۃ التواریخ ورق ۳۰۷، ۳۰۷۔ [2] واقعات مشتاقی ص ۵۲، یادگار نے "مے خوردن" نہیں لکھا۔ (ص ۶۳)

Marfat.com

"خزانہ از بیت المال علیحدہ است ازاں بعلما و صلحا رساند" [1]

اس خزانہ سے جو بیت المال سے مختلف اور علیحدہ ہے (یہ رقم) علما اور صالحین کو پہنچا دیں۔

اس بیماری میں ۷ ذی الحجہ ۹۲۳ھ / ۱۵۱۷ء کو اس کا انتقال ہو گیا۔ [2]

---

[1] واقعات شتاتی ص ۵۲

[2] مقبرہ کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: Cousstokon: pp. 170-171,

Marfat.com

باب چھاردھم

سلطان ابراہیم لودی

لودی خاندان کے آخری فرمانروا ابراہیم لودی نے تقریباً چھ سال حکومت کی تھی۔ مورخوں نے اس کے مذہبی افکار و رجحانات کے متعلق کوئی تفصیل بہم نہیں پہنچائی حقیقت یہ ہے کہ جنگ پانی پت نے تاریخ کا ایک ورق اس طرح الٹ دیا کہ پھر کسی کو ابراہیم کے افکار و کردار میں کوئی دلچسپی نہ رہی خود افغانوں کے ساتھ اس کا برتاؤ اس قدر مغرورانہ تھا کہ انہوں نے اس کے متعلق روایات جمع کرنے کی بھی کوشش نہیں کی۔ دور مغلیہ کے مورخوں نے اس کے "اخلاق حمیدہ" "نور حسن کیاست و فراست" کی تعریف کی ہے[1]۔ اس نے فقراء و مساکین کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ اُن کے وظائف، مدد معاش اور ادرار میں اضافے کیے۔ گوشہ نشینوں کو فتوحات اور نذریں بھیجیں[2]۔

ابراہیم لودی نجوم میں بہت اعتقاد رکھتا تھا۔ جنگ پانی پت سے پہلے اس نے نجومیوں سے مشورہ کیا۔ انہوں نے جواب دیا: "ستاروں کے دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے تمام گھوڑے اور ہاتھی مغل کے لشکر میں چلے گئے"۔ سلطان نے اس کو فتح کی بشارت پر محمول کیا۔

ابراہیم نے بہت سے ایسے لوگوں کو جو گزشتہ دور میں بڑی عزت اور اقتدار کے مالک تھے بُری طرح ذلیل کیا۔ میاں بھوہ، اعظم ہمایوں، جمالی تینوں سے اس کے تعلقات خراب ہو گئے تھے اعظم ہمایوں کے معاملہ میں شیخ راجو بخاری نے مصالحت کرانی چاہی تھی لیکن سلطان رضامند نہیں ہوا۔ سلطان کا بھائی جلال خاں شکست کھا کر شیخ عبدالوہاب بخاریؒ کی خانقاہ میں پناہ گزین ہو گیا تھا۔ وہ قلندروں کا لباس پہنتا تھا، اور شیخ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ ابراہیم کو اس کی

---

[1] تاریخ شاہی ص ۶۹، طبقات اکبری ج ۱ ص ۳۴۱، زبدۃ التواریخ ورق ۴۵۔ [2] طبقات اکبری ج ۱ ص ۳۴۲
تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۱۸۹

Marfat.com

اطلاع ہوگئی)۔ وہاں سے بلوا کر ہاتسی بھیجنے کا بہانہ کیا اور راستہ میں مروا دیا۔ شیخ عبدالوہاب کو اس کا بہت صدمہ ہوا۔ اور ابراہیم کی طرف سے اُن کا دل مکدر ہو گیا جب پانی پت کا ہنگامہ گرم ہوا تو شیخ بستر علالت پر تھے لیکن بار بار ابراہیم کے متعلق پوچھتے تھے اور کہتے تھے :

"حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت رسول اکرمؐ نے اس کا سر کاٹ کر میرے
سراورا بریدہ بدست من دادہ اند"[1] ہاتھ میں دے دیا ہے۔

جمالی نے سکندر لودی کی وفات پر جو مرثیہ لکھا تھا، اس کا ایک شعر تھا :

اے سلیمانِ زماں آہ کجائی آخر ؎ تا کنم پیش تو از فتنۂ دیواں فریاد

لوگوں نے ابراہیم کے دل میں یہ بات بٹھا دی کہ جمالی نے اس کو "دیو" کہا ہے۔ چنانچہ جمالی کی طرف سے اس کو رنجش پیدا ہو گئی۔ جمالی نے اس غلط فہمی کو دور کرنے کی بہت کوشش کی۔ وہ "کدورت" تو شاید دور ہو گئی[2]۔ لیکن جمالی کو عہدِ سکندری کی سی عظمت اور اقتدار حاصل نہ ہو سکا۔ چنانچہ اس نے اس کا بدلہ اس وقت نکالا جب ابراہیم کی نعش خاک و خون میں آلودہ پانی پت کے میدان میں نیرنگیِ عالم کا مرثیہ پڑھ رہی تھی۔ جمالی نے بابر کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا[3]۔

زافغاں فغاں برآمد آں دم کہ شد حسامت ؎ اشباح را مخرب ارواح را مصلل
از صدمۂ سمندت ہر فیل کوہ پیکر ؎ در خاک و خوں فرو شد ہمچوں حمار در گل
در حلقۂ سپاہت کامد دپر از خوں ؎ چوں نقطۂ زسرخی در چشم گشتہ داخل

حالانکہ خود بابر کا عالم اس کی نعش کو دیکھ کر یہ ہوا تھا کہ

"دراں حال عبرت بخش بر خود لرزید سراد ؎ اس عبرتناک منظر کو دیکھ کر لرز گیا اور اس کے
از خاک برگرفت"[4] سر کو خاک میں سے اٹھا لیا۔

---

[1] زبدۃ التواریخ ورق ۷۸۔ [2] سیر العارفین ص ۱۳۸۔ [3] تاریخ شاہی ص ۹۸۔ بابر نے نہایت احترام کے ساتھ اس کو دفن کیا۔ اور "فتحہ خلوا" تیار کرا کے تقسیم کیا۔

مآخذ

عربی وفارسی

احکام السلطانیہ : ابوالحسن ماوردی

(۱) قاہرہ ۱۲۹۸ھ

(۲) اُردو ترجمہ حیدرآباد ۱۹۳۶ء

احیاء العلوم الدین : امام غزالیؒ

(۱) قاہرہ ۱۲۷۶ھ

(۲) اُردو ترجمہ: مذاق العارفین (نول کشور) ۱۸۷۹ء

اخبار الجمال : راجہ محمد بن راجی یار محمد

(قلمی)

اخبار الاخیار : شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۹ھ

اخلاق جلالی : جلال الدین دوانی

لکھنؤ ۱۲۸۳ھ

اخلاق محسنی : ملا حسین واعظ الکاشفی

ہرٹفورڈ ۱۸۵۰ء

اخلاق ناصری : محمد بن حسن المعروف بہ ناصر طوسی

لکھنؤ ۱۳۰۹ھ

آداب الحرب والشجاعت : فخر مدبر

(رد تو گراف قلمی نسخہ برٹش میوزیم)

ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء : شاہ ولی اللہ دہلویؒ

مطبع صدیقی بریلی ۱۲۸۶ھ

اساس التقدیس : امام فخر الدین رازیؒ

قاہرہ ۱۳۲۸ھ

اسرار الاولیاء : ملفوظات بابا فرید گنج شکر

(قلمی نسخہ، ذاتی)

اسرار المخدومین : ملفوظ خواجہ کرکؒ

فتح پور ۱۸۹۳ء

اصول السماع : مولانا فخر الدین زرادیؒ

مسلم پریس حیدرآباد ۱۳۱۱ھ

اعتقادات فرق المسلمین والمشرکین : امام فخر الدین رازیؒ

قاہرہ ۱۳۵۶ھ

اعجاز خسروی : امیر خسرو

مطبع نول کشور ۱۸۶۵ء

افسانۂ شاہان : محمد کبیر بن شیخ اسمٰعیل

(رد تو گراف قلمی نسخہ برٹش میوزیم)

افضل الفوائد : ملفوظات شیخ نظام الدین اولیاءؒ

(۱) قلمی نسخہ، ذاتی (۲) مطبع نظامی دہلی ۱۳۰۹ھ

البدایۃ والنہایۃ: عماد الدین ابی الفداء اسمٰعیل معروف
بہ ابن کثیر

التبصیر فی الدین وتمییز الفرقۃ الناجیۃ عن الفرق
الہالکین: علاء الدین ابوالمظفر شاہفور اسفرائینی
(قاہرہ ۱۳۵۹ھ)

الدر المنظوم فی ترجمہ ملفوظ المخدوم: ترجمہ جامع
العلوم، ملفوظات مخدوم جہانیاںؒ
شائع کردہ سید نور الحسن مجدی
مطبع انصاری دہلی ۱۳۰۹ھ

الدرر الکامنہ: ابن حجر عسقلانی
دائرۃ المعارف ۱۳۴۸ھ

الفخری: ابن طقطقی
(۱) مطبوعہ مصر ۱۹۲۷ء
(۲) انگریزی ترجمہ وہٹنگ

الفرق بین الفرق وبیان الفرقۃ الناجیۃ منہم:
عبدالقاہر بغدادی

آئین اکبری: ابوالفضل
مرتبہ سید احمد خاں (دہلی)

آئینۂ سکندری: امیر خسرو
بہ تصحیح مولانا سعید احمد فاروقی
مطبع انسٹیٹیوٹ علیگڈھ ۱۹۱۷ء

بابرنامہ: ظہیر الدین بابر
(۱) فارسی: مطبوعہ بمبئی ۱۸۹۰ء
(۲) انگریزی ترجمہ مسز بیوریج، لندن ۱۹۲۱ء

تاج المآثر: صدر الدین حسن نظامی
(قلمی نسخہ مملوکہ پروفیسر محمد حبیب)

تاریخ الکامل: ابن اثیر
(۱) مصر ۱۳۰۱ھ
(۲) ترجمہ حیدرآباد ۱۹۲۷ء

تاریخ آل سبکتگین: ابوالفضل بیہقی
(۱) ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ ۱۸۶۲ء
(۲) طہران ۱۳۲۶ھ

تاریخ حقی: شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ
(قلمی نسخہ مسلم یونیورسٹی لائبریری)

تاریخ داؤدی: عبداللہ
بہ تصحیح پروفیسر شیخ عبدالرشید (علی گڈھ)

تاریخ دولت شیر شاہی: حسن علی خاں
(مڈیول انڈیا کوارٹرلی)

تاریخ شاہی: احمد یادگار
ایشیاٹک سوسائٹی ۱۹۳۹ء

تاریخ فخر الدین مبارک شاہ: فخر مدبر
بہ تصحیح سر ڈینی سن راس لندن ۱۹۲۷ء

Marfat.com

تاریخ فرشتہ : محمد قاسم ہندو شاہ فرشتہ
نول کشور ۱۲۸۱ھ

تاریخ فیروز شاہی : ضیاء الدین برنی
ایشیاٹک سوسائٹی ۱۸۶۰ء

تاریخ فیروز شاہی : شمس سراج عفیف
ایشیاٹک سوسائٹی ۱۸۹۱ء

تاریخ مبارک شاہی : یحییٰ بن احمد سرہندی
ایشیاٹک سوسائٹی ۱۹۳۱ء

تاریخ محمدی : محمد بہامد خانی
(روٹوگراف قلمی نسخہ بٹش میوزیم)

تاریخ نامۂ ہرات : سیف بن محمد بن یعقوب ہروی
ایشیاٹک سوسائٹی ۱۹۴۳ء

تاریخ یمینی : ابو النصر محمد بن محمد الجبار العتبی
(فارسی ترجمہ، طہران ۱۳۱۷ھ)

تبصرۃ العوام فی معرفۃ مقالات الانام :
سید صفی الدین ابو تراب مرتضیٰ
طہران ۱۳۱۳ھ

تغلق نامہ : امیر خسرو
تصحیح سید ہاشمی فرید آبادی
(مطبع اردو اورنگ آباد ۱۹۳۳ء)

جوامع الکلم : ملفوظات سید محمد گیسو دراز۔
مرتبہ سید محمد حسینی، تصحیح محمد حامد صدیقی
(مطبع انتظامی کانپور ۱۳۴۹ھ)

جواہر فریدی : علی اصغر چشتی
(قلمی نسخۂ ذاتی)

چچ نامہ : محمد علی بن حامد بن ابوبکر
حیدرآباد دکن ۱۹۳۹ء

حجۃ اللہ البالغہ : شاہ ولی اللہ دہلوی
حمایت الاسلام پریس لاہور ۱۳۲۲ھ

خزائن الفتوح : امیر خسرو۔
(۱) مرتبہ سید معین الحق (علیگڈھ پرنٹنگ ورکس ۱۹۲۷ء)
(۲) انگریزی ترجمہ پروفیسر حبیب (مدراس ۱۹۳۱ء)

خزینۃ الاصفیاء : مولانا غلام سرور
مطبع ثمر ہند لکھنؤ ۱۸۷۳ء

خطط المقریزیہ : تقی الدین احمد مقریزی
مصر ۱۳۲۶ھ

خلاصۃ التواریخ : سجان رائے
تصحیح ظفر حسن (مطبع حمایت اسلام لاہور ۱۹۱۸ء)

خیر المجالس : ملفوظات شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی
مرتبہ حمید قلندر
تصحیح خلیق احمد نظامی (علی گڈھ)

دلیل محکم فی نفی اثر القدم : مولوی سید نذیر حسین

فخر المطابع دہلی ۱۲۶۷ھ

دول رانی خضر خاں : امیر خسرو

تصحیح مولانا رشید احمد سالم

مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ ۱۹۱۷ء

دیباچہ غرۃ الکمال : امیر خسرو

شائع کردہ سید نسین علی دہلوی (مطبع قیصری)

دیوان حسن ، امیر حسن علا سجزی

مرتبہ مسعود علی محوی

ابراہیمیہ مشین پریس حیدرآباد ۱۳۵۲ھ

دیوان شیخ جمال الدین ہانسوی ،

شائع کردہ پیر جی رفیع الدین (دہلی ۱۸۸۹ء)

دیوان مطہر :

اورنٹیل کالج میگزین (مئی و اگست ۱۹۳۵ء)

ذخیرۃ الملوک : سید علی ہمدانی

(قلمی نسخہ، ذاتی)

رحلۃ ابن بطوطہ :

عربی ۔ مصر ۱۳۴۶ھ

اردو ترجمہ : مجائب الاسفار مولوی محمد حسین لاہور ۱۸۹۵ء

رسالہ احوال خانوادۂ چشت : تاج الدین نبیرہ شہاب الدین ناگوری

(قلمی نسخہ، ذاتی)

رسالہ مطلوب فی عشق المحبوب ، محمد امیر ماہ

(قلمی نسخہ، ذاتی)

روضۂ اقطاب : محمد بلاق

(مطبع محب ہند دہلی ۱۸۸۷ء)

زبدۃ التواریخ : شیخ نور الحق محدث دہلوی

(رودٹوگراف قلمی نسخہ برٹش میوزیم)

سبع سنابل : میر عبدالواحد بلگرامی

مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۹ھ

سرور الصدور : ملفوظات شیخ حمید الدین ناگوری

(قلمی نسخہ، ذاتی)

سیاست نامہ : نظام الملک طوسی

(طہران)

سیر العارفین : مولانا جمالی

فارسی : مطبع رضوی دہلی ۱۳۱۱ھ

نیز قلمی نسخہ، ذاتی

اردو ترجمہ : مولوی غلام احمد سنبھلی

شمس المطابع مراد آباد ۱۳۱۹ھ

سیر الاقطاب : الہدیہ چشتی

مطبع نول کشور ۱۸۸۱ء

سیر الاولیاء : سید محمد مبارک کرمانی المدعو بہ امیر خورد

(مطبع محب ہند دہلی ۱۳۰۲ھ

سیرت فیروز شاہی ،

(مائکرو فلم نسخہ بانکی پور)

Marfat.com

شذرات الذہب فی اخبار من الذہب:
ابوالفرج عبدالحیٔ بن عماد حنبلی

صبح الاعشیٰ: شہاب الدین ابوالعباس قلقشندی
انگریزی ترجمہ ڈاکٹر اسپیس (علی گڈھ)

صحیفۂ نعت محمدی یا ثنائے محمدی: ضیاء الدین برنی
قلمی نسخہ رام پور

ضبط الاعلام: احمد تیمور پاشا
قاہرہ ۱۳۶۶ھ

طب سکندری (معدن الشفا): میاں بہوہ
(نول کشور، لکھنؤ)

طبقات اکبری: نظام الدین احمد بخشی
ایشیاٹک سوسائٹی ۱۹۱۱ء

طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: تاج الدین سبکی
قاہرہ ۱۳۲۴ھ

طبقات ناصری: ابوعمر منہاج الدین عثمان جوزجانی
ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ ۱۸۶۳ء

ظفر الوالہ: عبداللہ محمد بن عمر حاجی الدبیر
مرتبہ سرڈینی سن راس (لندن ۱۹۳۱-۳۲ء)

علم الحساب: حاجی عبدالحمید محرر غزنوی
(۱) قلمی نسخہ رام پور
(۲) انگریزی ترجمہ، انڈیا کوارٹرلی

فتاوائے جہانداری: ضیاء الدین برنی
رہ فوگراف قلمی نسخہ انڈیا آفس

فتاوائے فیروز شاہی):
قلمی نسخہ مسلم یونیورسٹی لائبریری

فتوح السلاطین: عصامی
آگرہ ایڈیشن: ڈاکٹر مہدی حسین آگرہ ۱۹۳۸ء
مدراس ایڈیشن، محمد یوشع، مدراس ۱۹۴۸ء

فتوحات فیروز شاہی: فیروز شاہ تغلق
(۱) رضوی پریس دہلی ۱۳۰۲ھ
(۲) شیخ عبدالرشید و اے مخدومی (معہ
انگریزی ترجمہ) علی گڈھ
(۳) ڈاکٹر عبداللہ چغتائی لاہور
(۴) پروفیسر شیخ عبدالرشید (علی گڈھ ۱۹۵۴ء)

فوائد السالکین: ملفوظات شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ
قلمی نسخہ، ذاتی

فوائد الفواد: ملفوظات شیخ نظام الدین اولیاءؒ
مرتبہ امیر حسن علا سجزیؒ (نول کشور ۱۳۰۲ھ)

قابوس نامہ، امیر عنصر المعالی کیکاؤس
باہتمام سعید نفیسی (۱۳۳۲ شمسی)

قانون ہمایونی: خواندامیر
ایشیاٹک سوسائٹی ۱۹۴۰ء

Marfat.com

قِران السعدین : امیر خسرو

(۱) بہ تنقید مولوی محمد اسمٰعیل صاحب میرٹھی

(مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڈھ ۱۹۱۸ء)

(۲) بہ تصحیح مولوی قدرت اللہ (مطبع حسنی ۱۲۶۱ھ)

قصائد بدر چاچ : بدر چاچ

نول کشور ۱۲۷۹ء

کتاب الایمان : امام ابن تیمیہ

قاہرہ ۱۳۲۵ھ

کتاب الفصل فی الملل والاہواء والنحل : ابو محمد علی

معروف بابن حزم (قاہرہ ۱۳۲۰ھ)

کتاب النجوم : عبدالعزیز شمس تھانیسری

(قلمی نسخہ مسلم یونیورسٹی لائبریری)

کتاب الملل والنحل : ابوالفتح محمد بن عبدالکریم شہرستانی

(۱) لندن ۱۸۴۶ء

(۲) طہران ۱۳۸۸ھ

کتاب الہند : البیرونی

(۱) انگریزی ترجمہ، زخاؤ : لندن ۱۹۱۰ء

(۲) سید اصغر علی : انجمن ترقی اردو ہند ۱۹۳۷ء

کلمات طیبات : مکتوبات مرزا مظہر جان جاناںؒ وغیرہ

مطبع مطلع العلوم، مراد آباد

۱۳۰۲ھ

کیمیائے سعادت : امام غزالی

(۱) مطبع ہاشمی میرٹھ ۱۲۷۷ھ

(۲) مطبع نول کشور لکھنؤ ۱۳۲۳ھ

گلزار ابرار : محمد غوثی مندوی

(۱) قلمی نسخہ، ذاتی

(۲) اردو ترجمہ : مولوی فضل احمد (آگرہ ۱۳۲۶ھ)

گنج الاسرار : خواجہ معین الدین چشتیؒ

قلمی نسخہ، ذاتی

لباب الالباب : محمد عوفی

مرتبہ براؤن و مرزا محمد (لندن ۱۹۰۶ء)

لسان المیزان : ابن حجر عسقلانی

دائرۃ المعارف، حیدر آباد

لطائف قدوسی، ملفوظات شیخ عبدالقدوس

گنگوہیؒ مرتبہ شیخ رکن الدین

مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۶۱ھ

لیلیٰ مجنوں : امیر خسروؒ

بہ تصحیح مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی

(مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڈھ ۱۳۳۵ھ)

مآثر الکرام : مولانا غلام علی آزاد بلگرامی

مطبع مفید عام، آگرہ

۱۹۱۰ء

Marfat.com

آثر رحیمی : عبدالباقی نہاوندی
ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ

مراۃ العارفین، مسعود بک
قلمی نسخہ، ذاتی

مراۃ الاسرار : مولوی عبدالرحمٰن چشتی
قلمی نسخہ، ذاتی

مراۃ مسعودی : مولوی عبدالرحمٰن چشتی
قلمی نسخہ، ذاتی

مسالک الابصار : شہاب الدین العمری
(انگریزی ترجمہ ڈاکٹر اسپیس علی گڈھ)

مطلع الانوار : امیر خسرو
بہ تصحیح مقتدیٰ خاں شیروانی
مطبع مسلم یونیورسٹی ۱۹۴۶ء

مطلوب الطالبین : محمد بلاق چشتی
قلمی نسخہ، ذاتی

معارج الولایت : غلام معین الدین عبداللہ
قلمی نسخہ، ذاتی

معدن المعانی : ملفوظات شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ - مرتبہ زین بدر عربی
مطبع شرف الاخبار بہار ۱۳۱۱ھ

مفتاح الطالبین : ملفوظات شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ
قلمی نسخہ، ذاتی

مفتاح الفتوح : امیر خسرو
بہ تصحیح شیخ عبدالرشید (علی گڈھ)

مقالات الاسلامیین واختلاف المصلین :
امام ابوالحسن اشعری - استنبول ۱۹۲۹ء

مقدمہ ابن خلدون : اردو ترجمہ مولوی عبدالرحمٰن
مطبع حمیدیہ لاہور ۱۹۰۲ء

مکتوبات امام ربانی : مکتوبات شیخ احمد سرہندی
المعروف بہ مجدد الف ثانیؒ
مطبع نول کشور ۱۸۸۷ء

مکتوبات سید محمد اشرف جہانگیر سمنانیؒ
(۱) قلمی نسخہ مسلم یونیورسٹی لائبریری
(۲) قلمی نسخہ : خانقاہ لائبریری کچھوچھہ

مکتوبات شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ
(۱) مطبع نول کشور ۱۸۹۸ء
(۲) مطبع علوی ۱۲۸۷ھ

مکتوبات قدوسی : شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ
مطبع احمدی دہلی

ملفوظات قطب عالم : یعنی سراج الہدایہ، ملفوظات مخدوم جہانیاںؒ
قلمی نسخہ اسلامیہ کالج لائبریری

Marfat.com

منتخب التواریخ : ملا عبدالقادر بدایونی
ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ ۱۸۶۹ء

منشآت ماہرو : صین الدین عبداللہ ماہرو
مرتبہ پروفیسر شیخ عبدالرشید (علی گڈھ)

مونس الارواح : جہاں آرا بیگم
قلمی نسخہ ، ذاتی

نزہۃ الخواطر: حکیم سید عبدالحیی
دائرۃ المعارف حیدرآباد

نصیحت الملوک : امام غزالی
مرتبہ آغا جلال ہمائی ۱۳۱۷ھ مجلس طہران

ہدایۃ الاقدام فی علم الکلام : ابوبکر محمد بن
ابوالقاسم عبدالکریم شہرستانی
(لندن ۱۹۳۴ء)

نہ سپہر : امیر خسرو
بہ تصحیح ڈاکٹر وحید مرزا
(کلکتہ ۱۹۴۸ء)

واقعات مشتاقی : رزق اللہ مشتاقی
(روٹوگراف قلمی نسخہ برٹش میوزیم)

ہفت گلشن محمد شاہی : ہادی کامور خاں
(روٹوگراف قلمی نسخہ برٹش میوزیم)

اُردو

آثار الصنادید : سرسید احمد خاں
نول کشور پریس لکھنو ۱۹۰۰ء

المامون : مولانا شبلی
قومی پریس لکھنو

تاریخ امروہہ : محمود احمد عباسی
تجلی پرنٹنگ ورکس دہلی ۱۹۳۱ء

تذکرہ : مولانا ابوالکلام آزاد
کتابی دنیا - لاہور

تذکرۃ الواصلین : رضی الدین بسمل
منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز پریس لاہور
۱۳۱۸ھ

ترجمان القرآن : مولانا ابوالکلام آزاد
(دہلی ۱۹۳۱ء)

جامع الشواہد فی دخول غیر المسلم فی المساجد:
مولانا ابوالکلام آزاد
مطبع معارف اعظم گڈھ

حیات خسرو : منشی سعید احمد مارہروی
نول کشور اسٹیم پریس لاہور ۱۹۰۹ء

Marfat.com

خلافت اور ہندوستان : مولانا سید سلیمان ندوی
مطبع اعظم گڈھ ۱۳۴۰ھ

رسائل شبلی : مولانا شبلی
اسٹیم پریس امرتسر ۱۹۱۱ء

سیرت النبیؐ : مولانا شبلی و مولانا سلیمان ندوی
(مطبع معارف اعظم گڈھ)

عرب و ہند کے تعلقات : سید سلیمان ندوی
(ہندوستانی اکاڈیمی، الہ آباد)

کنز التواریخ : رضی الدین بسمل
(نظامی پریس بدایوں ۱۹۰۶ء)

مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت :
مولانا مناظر احسن گیلانی
ندوۃ المصنفین ۱۹۴۲ء

مسئلہ خلافت اور جزیرہ عرب :
مولانا ابوالکلام آزاد
البلاغ پریس کلکتہ ۱۹۲۰ء

واقعات دارالحکومت دہلی، مولوی بشیر الدین
آگرہ ۱۹۱۹ء

یادایام : حکیم سید عبدالحیی
(شبلی بک ڈپو لکھنؤ)

ENGLISH :-

Aghnides Nicholas P.: Mohammadan Theories of Finance
(New-york 1916)

Ames, E. Scribner : The Psychology of Religious Experience

Amir Ali, The Spirit of Islam (London 1935)

Amir Ali, A Short History of the Saracens (London 1921)

Arnold, T. W : The Caliphate (Oxford 1924)

Bellew, H.W: Races of Afghanistān

Brown, Percy : Indian Architecture (Bombay 1943)

Cambridge History of India Vol III edited by
Sir W. Haig (1928).

Carlyle, T : On Heroes & Hero-Worship (London)

Grunebaum : Islam (London 1955)

Habib, Mohd : Hazrat Amir Khusrau of Delhi
Bombay 1927)

Habibullah, A B.M: The Foundation of Muslim
Rule in India (London 1945)

Hitti, P. K : History of the Arabs (London 1951)

Modivala, S. H : Studies in Indo-Muslim History
Bombay 1939)

Husain, A.M: Rise & Fall of Mohd. bin Tughlaq
London 1938

Marfat.com

Sykal, Sir Mohd. : Reconstruction of Religious Thought in Islam (London 1944)

Leeuw G. Van Der : Religion in Essence and Manifestation (London 1938)

LokMagaard, Freda : Islamic Taxation in the Classic Period

Yopa, Dr. Ishwar : Politics in Pre-Mughal Times

Moore, George Foote : History of Religions (New York 1937)

Moreland, W. H : The Agrarian System of Moslem India (Cambridge 1929)

Nizami, K. A : Studies in Medieval Indian History (Aligarh 1956)

Panday, A.B : The First Afghan Empire in India (Calcutta 1956)

Prasad, Ishwari : A History of the Qaraunna Turks in India (Allahabad 1936)

Pratt, James . The Religous Consciousness : A psychological study (New York 1920)

Qureshi, I. H : The Administration of the Sultanate of Delhi (London 1942)

Schneider, Herbert : Religion in Various Cultures (New York 1932)

Marfat.com

Sewell, Robert : A Forgotten Empire (London 1900)

Smith, V.A : Early History of India

Stephen, Carr : The Archaeology & Monumental Remains of Delhi (1876)

Storey, C.A : Persian Literature (London)

Tara Chand : Influence of Islam on Indian culture (Allahabad)

Thomas, Edward : Chronicles of the Pathan kings of Delhi (London 1871)

Todd, James : Annals & Antiquities of Rajasthan (London 1920)

Tolstoy, Leo : What is Religion? (London 1902)

Toynbee : An Historian's approach to Religion

Tripathi R.P : Some Aspects of Muslim Administration (Allahabad 1936)

Vaidya, C.V : History of Medieval Hindu India (Poona 1926)

Wach, Joachim : Sociology of Religion (Chicago 1949)

Wright, Nelson : The Coinage & Metrology of the Sultans of Delhi (Delhi 1936)

Yusuf Husain : Glimpses of Medieval India Culture (Bombay 1957)

Marfat.com

Ahmad The Contribution of India to Arabic Literature (Allahabad 1945)

REPORTS, JOURNALS etc

Asiatic Researches

Encyclopaedia of Islam

Epigraphia Indo-Moslemica

Islamic Culture, Hyderabad-Deccan

Journal of Indian History

Journal of the Asiatic Society of Bengal

Journal of the U.P. Historical Society

Oriental College Magazine Lahore

Proceedings of the Indian History Congress

Reports of the Archaeological Survey of India

Reports of the Indian Historical Records Commission

سلاطینِ دہلی کے مذہبی رجحانات

پروفیسر خلیق احمد نظامی

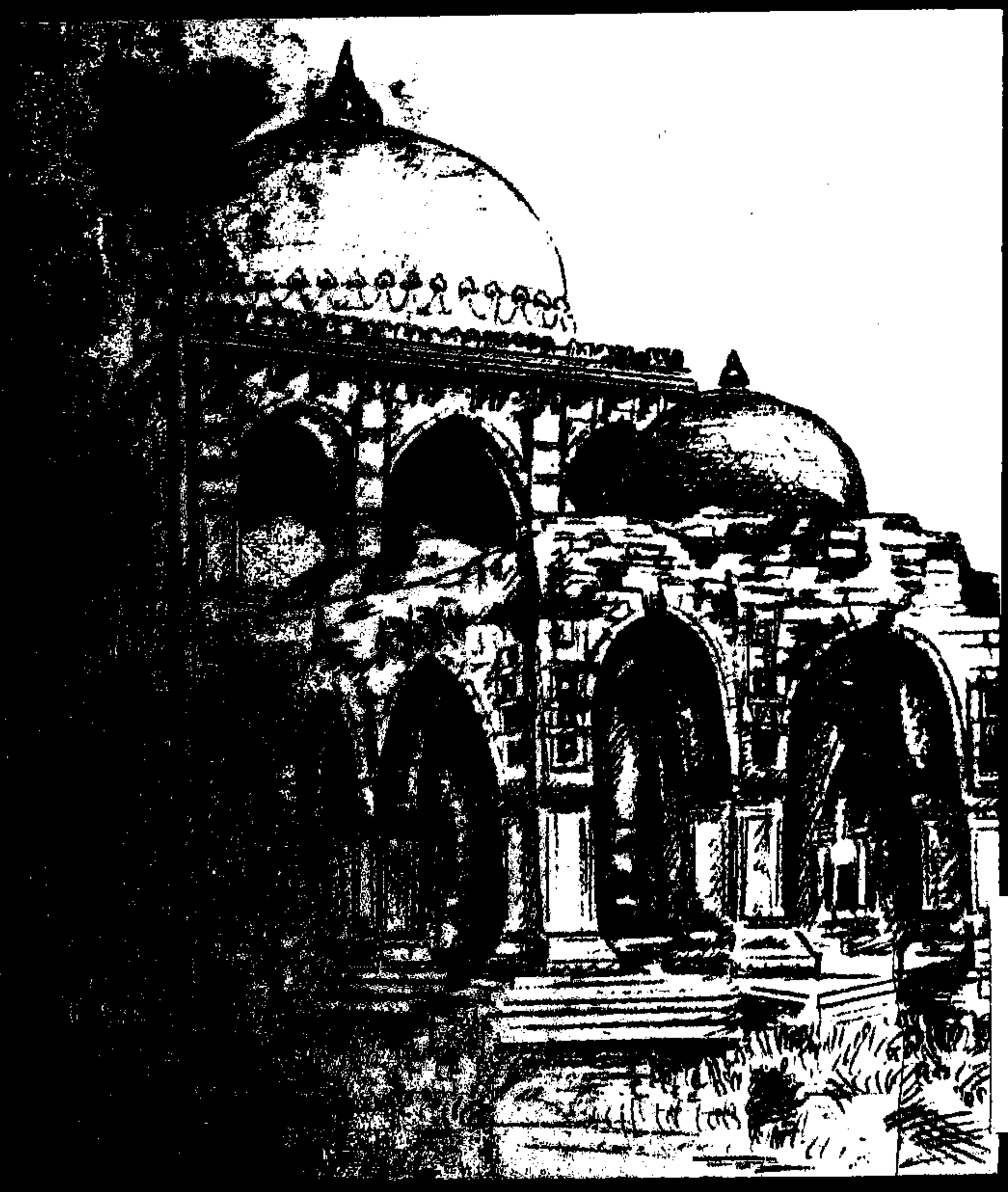

نگارشات

Marfat.com